جامعۃ الملک سعود، ریاض میں زیر تعلیم ہندوستانی طلبہ کا

شمارہ نمبر (۵) اگست وستمبر ۲۰۲۲ء مطابق محرم وصفر ۱۴۴۴ھ

ایڈیٹر: یاسر اسعد

ایڈیٹر

یاسر اسعد

مجلس مشاورت

حسان ابوالمکرم

جنید یوسف عبدالرقیب

احسن جمیل انصار احمد

محمد عمر صلاح الدین

مشمولات مجلہ

عربی مضامین

افتتاحیہ

بحثیں سوشل میڈیا کی

سر سید احمد خاں کا ایک مضمون ہے 'بحث و تکرار'، جو اردو کی ابتدائی نصابی کتابوں میں بھی درج ہے، اس کے عنوان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مضمون باہمی جدال و تکرار سے متعلق ہوگا۔ اس کی ابتدا کے کچھ حصے طوالت کے باوجود نقل کیے جاتے ہیں:

" جب کتے آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو پہلے تیوری چڑھا کر ایک دوسرے کو بری نگاہ سے آنکھیں بدل بدل کر دیکھنا شروع کرتے ہیں، پھر تھوڑی تھوڑی گونجیلی آواز ان کے نتھنوں سے نکلنے لگتی ہے۔ پھر تھوڑا سا جبڑا کھلتا ہے اور دانت دکھائی دینے لگتے ہیں اور حلق سے آواز نکلنی شروع ہوتی ہے، پھر باچھیں چر کر کانوں سے جالگتی ہیں اور ناک سمٹ کر ماتھے پر چڑھ جاتی ہے، ڈاڑھوں تک دانت باہر نکل آتے ہیں، منہ سے جھاگ نکل پڑتے ہیں اور عنیف آواز کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے چمٹ جاتے ہیں۔ اس کا ہاتھ اس کے گلے میں اور اس کی ٹانگ اس کی کمر میں، اس کا کان اس کے منہ میں اور اس کا ٹینٹوا اس کے جبڑے میں، اس نے اس کو کاٹا اور اس نے اس کو پچھاڑ کر بھنبوڑا، جو کمزور ہوا دم دبا کر بھاگ نکلا۔"

کتوں کے جھگڑوں کی یہ غضب کی تصویر کشی ہے جو سر سید نے کی ہے۔ مگر وہ یہیں پر بس نہیں کرتے بلکہ آگے آدمیوں کے باہمی جھگڑوں کو یوں درشاتے ہیں:

" نامہذب آدمیوں کی مجلس میں بھی آپس میں اسی طرح تکرار ہوتی ہے۔ پہلے صاحب سلامت کر کر آپس میں مل بیٹھتے ہیں، پھر دھیمی دھیمی بات چیت شروع ہوتی ہے۔ ایک کوئی بات کہتا ہے، دوسرا بولتا ہے، واہ یوں نہیں یوں ہے۔ وہ کہتا ہے، "واہ تم کیا جانو۔" وہ بولتا ہے، "تم کیا جانو۔" دونوں کی نگاہ بدل جاتی ہے، تیوری چڑھ جاتی ہے، رخ بدل جاتا ہے، آنکھیں ڈراونی ہو جاتی ہیں، باچھیں چر جاتی ہیں، دانت نکل پڑتے ہیں، تھوک اڑنے لگتا ہے، باچھوں تک کف بھر آتے ہیں، سانس جلدی چلتا ہے، رگیں تن جاتی ہیں، آنکھ، ناک، بھوں، ہاتھ، عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔ عنیف عنیف آوازیں نکلنے لگتی ہیں، آستین چڑھا ہاتھ پھیلا، اس کی گردن اس کے ہاتھ میں اور اس کی داڑھی اس کی مٹھی میں۔ لپاڈکی ہونے لگتی ہے۔ کسی نے بیچ بچاؤ کر کر چھڑا دیا تو غراتے ہوئے ایک ادھر اور ایک ادھر، اور اگر کوئی بیچ بچاؤ کرنے والا نہ ہوا تو کمزور نے لپٹ کر کپڑے جھاڑتے سر سہلاتے اپنی راہ لی۔"

یہ تصویر کشی کم از کم ایک صدی قبل کی ہے۔ یہ وہ دور ہے جہاں سماجی رابطے کے بہت زیادہ وسائل مہیا نہیں تھے، بالمشافہہ ملاقات کے علاوہ اخبارات و جرائد ہی محدود سطح پر مہیا تھے اپنے افکار و خیالات کا اظہار کرنے کے لیے۔ پھر زمانے نے

کروٹ بدلی اور بیسویں صدی کے اختتام اور اکیسویں صدی کے آغاز نے سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں جو ہوش ربا ترقی دیکھی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ گزشتہ دو تین دہائیوں میں جہاں انسانیت کو نقل وحمل کے سہل و سریع وارزاں ذرائع نصیب ہوئے وہیں باہمی تعلقات کے لیے سماجی رابطوں کے بھی کئی پلیٹ فارم ملے۔ پہلے پیغام رسانی کا عمل جو دنوں، ہفتوں بلکہ مہینوں کو محیط ہوتا تھا آج وہ انگلیوں کے اشارے سے سیکنڈ کے دسویں حصے ہی میں مکمل ہو جاتا ہے، اشہب زمانہ کی رفتار کی سرعت اور سماجی رابطوں کی کثافت نے انسانی مزاج پر بھی کافی اثر ڈالا، انسان نے اس کے پیچھے جہاں بہت ساری راحتیں پائیں وہیں اپنے بہت سارے خواص سے تہی دامن بھی ہو گیا۔ صبر و ثبات، غور و فکر، سنجیدگی، مہلت، حلم و بردباری جیسے الفاظ اس کی لغت سے غائب ہو گئے اور ان کی جگہ سرعت، عجلت، غیظ و غضب اور طیش نے لے لی۔

سماجی رابطوں کے ذرائع کو انسان نے خود پر کتنا مسلط کیا اس کا اندازہ (Mamsys) کی اس رپورٹ سے لگایئے کہ صرف سال ۲۰۱۷ء میں ہر سیکنڈ میں فیس بک پر (۹) لاکھ لوگ داخل ہوئے، (۴۶۲۰۰) تصاویر انسٹاگرام پر اپ لوڈ کی گئیں، (۴۵۲۰۰۰) ٹویٹ ہوئے اور اسی ایک پل میں (۴) ملین یوٹیوب پر مشاہدے بھی ہوئے۔ (الجزیرہ)

یہ سوشل سائٹیں جو بظاہر باہمی تعلقات کی مضبوطی کے لیے تشکیل کی گئی تھیں آج انہیں تعلقات میں دراڑ پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ بن رہی ہیں۔ انہیں سے جنم لینے والے مختلف سیاسی، مذہبی، ادبی، سماجی مباحثوں نے جہاں ایک طرف بظاہر فکر و نظر کے افق وسیع کیے وہیں دوسری طرف اس کی تنگی کا باعث بھی بنے۔ بایں طور کہ آج سوشل سائٹیں خصوصاً فیس بک اور ٹویٹر کا استعمال بہت حد تک اپنی معنویت کھو چکا ہے۔ یہاں اب ہر شخص اپنے میدان بلکہ دوسروں کے میدان کا بھی خود کو بادشاہ سمجھ بیٹھا ہے۔ معاملہ دین و مذہب کا ہو یا سیاست و ادب کا، ہر ایرا غیرا اس میں اپنی رائے پیش کرنے کا مجاز ہے۔ سیاست کے اکھاڑے کے بعد مذہبی بحثیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہ پائیں اور شرک، کفر، بدعت، ایمان، اسلام کے مباحث پر ہر کوئی ایسے رائے دینے لگا جیسے یہ اس کا تخصص ہو۔

سرسید احمد خان نے نامہذب آدمیوں کی اس مجلس کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ حیرت انگیز طور پر سوشل میڈیا کے ان مباحثوں سے ملتا جلتا ہے، بس فرق اتنا ہے کہ یہاں مار پیٹ کے علاوہ مذکورہ بالا ہر وصف بدرجہ اتم پایا جاتا ہے، درحقیقت سوشل میڈیا کے مفکرین کا یہ ماننا ہے کہ علم و فکر ان کے گھر کے لونڈی ہے، جس طریقہ سے میں سوچتا ہوں اور جس نتیجہ پر میں پہنچا ہوں وہی درست ہے باقی سب کچھ غلط ہے، باطل ہے، ناحق ہے، خطا ہے، ظلم ہے، انحراف ہے الخ۔ اب اس دعوے کی زد میں خواہ کسی کی پگڑی آئے یا دستار، کسی کی عزت کا جنازہ نکلے یا کوئی الفاظ کے زہر آلود تیروں کا شکار ہو کر دل کی دنیا لٹا بیٹھے، کوئی عالم ہو یا فاضل، پی ایچ ڈی ہولڈر ہو یا کسی فن کا متخصص اس سے مطلق پرواہ نہیں، بس اظہار رائے کی آزادی اور "کلمہ حق" کی سر

بلندی کے لیے صاحب بلا کسی لومۃ لائم کی پرواہ کیے ہوئے اپنے عنان قلم کو شہ دیتے جارہے ہیں، انگلیاں اسکرین پر دائمی طور پر متحرک ہیں اور برابر زہر پر زہر اگلتی جارہی ہیں۔

یہ بحثیں نہ صرف کہ بلا نتیجہ ختم ہوتی ہیں بلکہ بہت سارے لوگوں کے لیے مستقل ذہنی خلجان کا باعث بھی بنتی ہیں۔ مذہبی معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ بسا اوقات ان کے دلائل میں بعد المشرقین ہوتا ہے، اور ماہر اہل علم ہی ان میں تطبیق کی صورت پیدا کرسکتے ہیں۔ مگر یہاں کے مباحث میں ہر فرد اپنے ہوائے نفس کے اعتبار سے یک طرفہ دلائل پیش کرتا ہے، اور اسی پر مصر رہتا ہے، مخالف گروہ بھی یہی عادت اپنائے ہوئے ہوتا ہے۔ ان دونوں کے مابین ایک 'تیسری جنس' ہوتی ہے جس کی زنبیل میں صرف الزام تراشی، بہتان، خود کے طبقۂ اہل علم میں ہونے کا زعم، زبان وبیان کے چٹخارے ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے دلائل رکھنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔

سوشل میڈیا کے مباحثے انسانی اعصاب پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں، رفتہ رفتہ انسان کی نظر میں علم اور دلیل کی اہمیت کم ہوتی جاتی ہے، مشمولات سے اہم اس کے نزدیک اسلوب اور انداز ٹھہرتا ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دلیل خواہ کتنی سچی ہو قابل قبول اس کا صدق نہیں بلکہ اس کا حسن اسلوب ہے، حالانکہ مطلوب دونوں ہے اور دوسرا مفقود ہو تو بھی پہلے سے پہلوتہی نہیں کی جاسکتی۔

مباحثوں کا ماحصل فقط خلش، فقط خلل
سوال ہی سوال ہیں جواب ایک بھی نہیں

(یاسر اسعد)

عقائد کے باب میں "اخبار آحاد" کی حجیت

عبید اللہ الباقی اسلم
پی ایچ ڈی، شعبہ عقیدہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

أولًا: خبر آحاد کی تعریف:

"آحاد" یہ واحد کی جمع ہے۔

[دیکھیں: القاموس المحیط (ص: ۳۳۸)]

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وأما خبر الآحاد فهو ما نقص عن صفة التواتر" [الكفاية في علم الرواية (ص: ۲۰)] اور جہاں تک خبر آحاد کی بات ہے تو (یہ) وہ (خبر ہے) جس کے اندر تواتر کی صفت موجود نہ ہو۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وخبر الواحد في اللغة: ما يرويه شخص واحد.
وفي الاصطلاح: ما لم يجمع شروط التواتر" [نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر (ص: ۲۰۰)]

اور لغت میں خبر واحد وہ (حدیث) ہے جسے ایک شخص روایت کرے۔

اور اصطلاح میں (خبر واحد وہ حدیث) ہے جس میں تواتر کی شروط نہ پائی جائیں۔

ثانیًا: عقائد کے باب میں اخبار آحاد حجت ہیں یا نہیں؟

اس سلسلے میں اہل السنۃ والجماعہ اور اہل کلام کا اختلاف ہے:

اہل کلام:

ان کے نزدیک خبر واحد عقیدہ کے باب میں حجت نہیں ہے:

۱- قاضی عبد الجبار خبر واحد کے بارے میں فرماتے ہیں:"... وإن كان مما طريقه الاعتقادات ينظر: فإن كان موافقا لحجج العقول قبل واعتقد موجبه، لا لمكانه، بل للحجة العقلية، وإن لم يكن موافقا لها فإن الواجب أن يرد ويحكم بأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يقله، وإن قاله فإنما قاله على طريق الحكاية عن غيره...[شرح الأصول الخمسة (ص: ۷۷۰)] اور اگر (خبر واحد) اس قبیل سے ہو کہ اس سے اعتقادات لازم آئیں تو اس پر غور کیا جائے گا، چنانچہ اگر وہ عقلی دلائل کے موافق ہو تو اسے قبول کیا جائے گا، اور یہ اعتقاد رکھا جائے گا کہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے، اور اسے (خبر واحد) کی منزلت کی وجہ سے نہیں بلکہ عقلی دلائل کی وجہ سے (قبول کیا جائے گا)، اور اگر وہ عقلی دلائل کے موافق نہ ہو تو ضروری ہے کہ اسے رد کیا جائے، اور یہ حکم لگایا جائے کہ نبی ﷺ نے یہ فرمایا ہی نہیں ہے، اور اگر فرمایا بھی ہے تو دوسروں سے بطور حکایت بیان کیا ہے...

۲- رازی کہتے ہیں: "أخبار الآحاد مظنونة، فلم يجز التمسك بها في معرفة الله تعالى صفاته" [أساس التقديس (ص: ۱۲۷)] اخبار آحاد ظنی ہوا کرتے ہیں؛ لہذا ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی صفات (کے باب میں) حجت پکڑنا درست نہیں ہے۔

چنانچہ اہل کلام نے احکام و عقائد کے باب میں اخبار آحاد کے ذریعہ حجت پکڑنے میں فرق کیا ہے؛ ان کے نزدیک احکام میں اخبار آحاد قابل حجت ہیں مگر عقائد کے باب میں قابل حجت نہیں ہیں۔

اور یہ در حقیقت انکارِ حدیث کا ایک چور دروازہ ہے؛

اسی لیے امام سمعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وإنما القول الذي يذكر أن خبر الواحد لا يفيد العلم بحال، ولا بد من

نقله بطريق التواتر لوقوع العلم به شيء اخترعه القدرية المعتزلة، وكان قصدهم منه رد الأخبار" [دیکھیں: صون المنطق(ص:١٦٠)]

اور وہ قول جو ذکر کیا جاتا ہے کہ خبر واحد کسی بھی صورت میں علم کا فائدہ نہیں دیتی ہے، اور علم حاصل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ متواتر طریقے سے منقول ہو (دراصل یہ) ایک ایسی چیز ہے جسے قدریہ معتزلہ نے ایجاد کیا ہے، اور اس سے ان کا مقصد احادیث کو رد کرنا ہے۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لم يكن في السلف ولا في الأئمة من يرد الخبر في باب من أبواب العلم بأنه خبر واحد، ولم ينشأ ذلك إلا من أهل البدع"[جواب الاعتراضات المصرية(ص:٨٥ - ٨٦)] سلف اور ائمہ میں کوئی ایسا نہیں جو علم کے کسی بھی باب میں محض اس وجہ سے خبر کی تردید کرتا ہے کہ وہ خبر واحد ہے، اور در حقیقت یہ فکرہ بدعتیوں کی ایجاد کردہ ہے۔

لہذا اس سلسلے میں علماء سلف میں سے فقہاء ومحدثین کا اجماع ہے کہ ہر سچے فرد واحد کی خبر قبول کی جائے گی، اور اس پر عمل بھی کیا جائے گا، چاہے اس کا تعلق احکام سے ہو یا عقائد سے ہو[دیکھیں:التمهيد (١/ ٢)]۔

اہل السنہ والجماعہ:

ان کے نزدیک ہر صحیح خبر واحد عقیدہ کے باب میں قابلِ حجت ہے[دیکھیں: قانون التأسيس العقدي (ص:٢٦٨)]۔

اس پر چند دلائل درج ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ} [سورة الحجرات(٦)] اے مومنو! اگر تمہارے پاس ایک فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ اس خبر کی بنا پر غلطی سے کسی قوم کو نقصان پہنچا دو، اور آخر میں نادم ہونا پڑے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ عز وجل نے خبر کی تحقیق کرنے کا حکم دیا ہے؛ لہذا اگر خبر واحد کی خبر جھوٹی ہو تو رد کی جائے گی، اور اس کے برعکس اگر سچی ہو تو لازمی طور پر قبول کی جائے گی۔

۲- نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ..."[صحيح مسلم (ح:١٩)] تم اہل کتاب کی ایک قوم کی طرف جا رہے ہو؛ لہذا (پہلے) انہیں یہ دعوت دینا کہ (اس بات کی گواہی دینا ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ) اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، اور میں اللہ کا رسول ہوں..

اس حدیث پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اکیلے ہی یمن کی طرف روانہ فرمایا تھا، اور منجملہ اہم امور میں سب سے پہلے دعوت توحید پر ترکیز کرنے کا حکم دیا؛ لہذا یہ حدیث دلیل ہے کہ ہر صحیح خبر واحد عقیدہ کے باب میں قابلِ حجت ہے۔

اور بھی بہت سارے دلائل ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ صحیح اخبار آحاد مسائلِ اعتقاد میں قابلِ حجت ہیں، مثلاً: مختلف جہات میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بحیثیت داعی بنا کر بھیجنا، امراء وملوک کو خطوط بھیجنا، اور تحویل قبلہ کی خبر وغیرہ [دیکھیں: المطالب المفيدة في مسائل العقيدة(١/ ٧٦)، و خصائص أهل السنة والجماعة (ص:٢٤٢)]۔

۳- صحیح خبر واحد کے ذریعہ مسائلِ اعتقاد پر استدلال کیا جا سکتا ہے، اس پر علماء سلف کا اجماع ہے:

أ- ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"كلهم - أي: أهل الفقه والأثر - يدين بخبر الواحد العدل في الاعتقادات، ويعادي ويوالي عليها، ويجعلها شرعاً وديناً في معتقده، على ذلك جماعة أهل السنة والجماعة[التمهيد (۱/ ۸)]

اور سارے لوگ - یعنی: فقہاء و محدثین - سچے فرد واحد کی خبر کے ذریعہ اعتقادات(کے امور) میں حجت پکڑتے، اور ان ہی (اعتقادات) پر اپنی دشمنی ومحبت کی بنا کرتے، اور انہیں اپنے معتقد میں شریعت ودین قرار دیتے،(اور)اس پر اہل السنہ والجماعہ (کا اجماع ہے).

ب- شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"مما اتفق عليه سلف الأمة وأئمة الإسلام أن الخبر الصحيح مقبول مصدق به في جميع أبواب العلم، لا يفرق بين المسائل العلمية والخبرية، ولا يرد الخبر في باب من الأبواب سواء كانت أصولاً أو فروعاً بكونه خبر واحد، فإن هذا من محدثات أهل البدع المخالفة للسنة والجماعة" [جواب الاعتراضات المصرية (ص:٥٠)] جس پر سلف امت اور ائمہ اسلام کا اتفاق رہا ہے وہ یہ کہ (ہر) صحیح خبر تمام ابوابِ علم میں مقبول اور قابل حجت ہے،(اس کے ذریعہ) علمی وخبری مسائل کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا، اور نہ کسی بھی اصول وفروع کے باب میں محض خبر واحد ہونے کی وجہ سے اسے رد کیا جائے گا، بلکہ یہ اہل بدعت کے ایجاد کردہ امور میں سے (ایک) ہے جو سنت وجماعت کے (عین) مخالف ہے۔

ج- علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"لم يزل الصحابة والتابعون، وتابعوهم، وأهل الحديث والسنة يحتجون بهذه الأخبار في مسائل الصفات، والقدر والأسماء الأحكام، ولم ينقل عن أحد منهم البتة أنه جوّز الاحتجاجَ بها في مسائل الأحكام دون الإخبار عن الله و أسمائه وصفاته..." [مختصر الصواعق المرسلة (٢/ ٤١٢)] صحابہ - کرام رضی اللہ عنہم -، تابعین، اور تبع تابعین - رحمہم اللہ -، اور اہل حدیث وسنت ان اخبار (آحاد) کے ذریعہ مسائلِ صفات، قدر، اور أسماء واحکام میں حجت پکڑتے رہے ہیں، اور ان میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے اللہ، اور اس کے أسماء وصفات کی خبر دینے (کے مسائل) کو چھوڑ کر ان (اخبارِ آحاد) کے ذریعہ صرف مسائلِ احکام میں حجت پکڑنے کو جائز قرار دیا ہے...

خلاصہ یہ ہے کہ کسی بھی صحیح خبر واحد کے ذریعہ عقائد واحکام کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا، بلکہ ہر صحیح خبر واحد فروع و أصول کے مسائل میں قابل حجت ہے، جیسا کہ شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "والتحقيق الذي لا يجوز العدول عنه أن أخبار الآحاد الصحيحة كما تقبل في الفروع تقبل في الأصول، فما ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم بأسانيد صحيحة من صفات الله يجب إثباته واعتقاده على الوجه اللائق لكمال الله وجلاله" [مذكرة أصول الفقه (ص:١٠٤ - ١٠٥)] اور ایسی تحقیق جس سے روگردانی نہیں کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ صحیح اخبار آحاد جس طرح فروع میں قبول کی جائیں گی، اسی طرح اصول میں بھی قبول کی جائیں گی، چنانچہ صحیح سندوں سے نبی ﷺ سے اللہ کی جو بھی صفات ثابت ہیں انہیں ثابت کرنا اور ان کا اسی طرح اعتقاد رکھنا ضروری ہے جو اللہ کے کمال و جلال کے شایان شان ہے۔

اہل بدعت کے ساتھ تعامل

محمد ضیاء الحق تیمی
پی ایچ ڈی، جامعہ اسلامیہ مدینہ نبویہ

بہت سارے اذہان میں یہ بات راسخ ہے کہ اہل بدعت کے ساتھ تعامل میں سلف کے منہج اور اکابر اہل حدیث کے منہج میں فرق پایا جاتا ہے، اور ہمارے اکابر اہل بدعت کے ساتھ ہر طرح کے تعامل کے روادار تھے، اور ہمارے ارد گرد کے ماحول کے اعتبار سے ہمارے لیے وہی منہج درست ہے جو ہمارے اکابر نے اختیار کیا ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اہل بدعت کے تئیں سلف اور اپنے اکابر کے موقف کو ایک ساتھ سمجھنے کی کوشش کی جائے اور دیکھا جائے کہ کیا واقعی ان دونوں کے درمیان کوئی ایسا جوہری اختلاف موجود ہے جو ہمیں دو مختلف محاذوں میں تقسیم کردے؟ یا معاملہ صرف ہمارے سوء فہم کا ہے؟

● سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سلف یعنی صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین، اور ائمہ کرام اور علمائے اہل سنت کا منہج اہل بدعت کے تعلق سے کیا تھا؟ نیچے اسی سلسلے میں اہل علم کے کچھ اقوال پیش کئے جارہے ہیں:

(۱)قال الإمام البغوي رحمه الله : (و قد مضت الصحابة و التابعون، و أتباعهم، و علماء السنن على هذا مجمعين متفقين على معاداة أهل البدع و مهاجرتهم) .[شرح السنّة للبغوي: ۲۲۷/۱]

یعنی صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور علمائے اہل سنت اس بات پر متفق ہیں اور اس پر اجماع قائم ہے کہ اہل بدعت سے عداوت رکھی جائے گی اور ان سے قطع تعلق کیا جائے گا۔

(۲)وقال الشاطبي : (إن فرقة النجاة، و هم أهل السنة، مأمورون بعداوة أهل البدع، و التشريد بهم، والتنكيل بمن انحاش إلى جهتهم، و نحن مأمورون بمعاداتهم، و هم مأمورون بموالاتنا و الرجوع إلى الجماعة) .[الاعتصام، للشاطبي : ۱۲۰/۱].

فرقہ ناجیہ اہل سنت کو حکم ہے کہ وہ اہل بدعت سے عداوت رکھیں، انہیں اپنے سماج سے بھگائیں، اور اگر وہ باہر سے آدھمکیں تو انہیں سخت سزائیں دیں، ہمیں ان سے عداوت رکھنے کا حکم ہے، جبکہ انہیں حکم ہے کہ وہ ہم سے دوستی کریں اور ہماری جماعت میں شامل ہو جائیں۔

(۳)وقال الإمام أبو عثمان إسماعيل الصابوني رحمه الله حكايةً عن أهل السنّة : (و يبغضون أهل البدع الذين أحدثوا في الدين ما ليس منه، ولا يحبونهم، ولا يصحبونهم). [عقيدة السلف أصحاب الحديث للصابوني، ص : ۱۱۸]

امام صابونی اہل سنت کا منہج بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اہل بدعت سے بغض رکھتے ہیں جنہوں نے دین میں بدعات ایجاد کیں، نہ ان سے محبت رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کی صحبت اختیار کرتے ہیں۔

(۴) والإمام الطحاوي وصفهم بأنهم (يحابّون في الدين، و يتباغضون فيه، و يتقون الجدال في أصول الدين، و الخصومات فيه، و يجانبون أهل البدع و الضلالات، و يعادون أصحاب البدع و الأهواء المرديات الفاضحات) .[شرح الطحاوية، لابن أبي العز، ص : ۵۲۰]

امام طحاوی اہل سنت کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دین کی وجہ سے وہ کسی سے محبت یا بغض رکھتے ہیں، اُصول دین میں بحث وجدال اور مناظرہ بازی سے بچتے ہیں، اہل بدعت وضلالت سے دوری بنائے رکھتے ہیں اور بدعتیوں اور ہواپرستوں سے عداوت رکھتے ہیں۔

(۵)قال ابن بطة: إحدى علامات أهل السنة حبهم لأئمة السنة، وعلمائها وأنصارها وأوليائها، وبغضهم لأئمة البدع، الذين يدعون إلى النار، ويدلون أصحابهم على دار

البوار، وقد زين الله سبحانه قلوب أهل السنة ونورها بحب علماء السنة فضلا منه جل جلاله. [الإبانة الكبرى، لابن بطة (٤٥٦/٢)]

اہل سنت کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کے ائمہ، علماء، انصار اور اولیاء سے محبت کرتے ہیں اور اہل بدعت کے ائمہ سے بغض رکھتے ہیں، جو لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اس کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اور اللہ عزوجل کا ان پر یہ فضل واحسان ہے کہ وہ ان کے دلوں کو علمائے اہل سنت کی محبت سے پر نور اور مزین رکھتا ہے۔

(٦)وقال الصابوني أيضا: "اتفقوا مع ذلك على القول بقهر أهل البدع، وإذلالهم وإخزائهم وإبعادهم وإقصائهم، والتباعد منهم ومن مصاحبتهم ومعاشرتهم، والتقرب إلى الله عز وجل بمجانبتهم ومهاجرتهم"

صابونی فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کو زیر کرنے، ان کی تذلیل اور توہین کرنے، ان کو دور بھگانے، اور ان سے دوری بنانے، اور ان کی صحبت اور ہم نشینی سے بچنے، اور ان سے قطع تعلق کو تقرب الہی کا ذریعہ سمجھنے میں تمام اہل سنت کا اتفاق ہے۔

ان اقوال کو بار بار پڑھیں اور ساتھ ہی اس نکتے پر غور کریں کہ ان میں جتنی بھی باتیں اہل بدعت کے حوالے سے کہی گئی ہیں وہ جمہور سلف یا بعض سلف کی رائے نہیں، بلکہ تمام اسلاف کرام صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اہل سنت کی اجماعی رائے ہے، یعنی ان میں سے کسی بھی بات کو رد کرنا گویا سلف کے اجماعی موقف سے انحراف ہے۔

● اب سوال یہ ہے کہ یہ اقوال تو انتہائی صریح، دوٹوک اور واضح ہیں، ان میں کوئی غموض اور اشکال بھی نہیں کہ سمجھنے میں کوئی دقت ہو، جبکہ ہمارے بعض اکابر اہل حدیث کا طرز عمل بظاہر اس سے مختلف نظر آتا ہے، تو اس کے لیے ہمیں کئی پہلوؤں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے تو ہم یہ حسن ظن رکھیں کہ ہمارے اکابر کا عمومی طرز عمل اسلاف کرام سے اس قدر مختلف نہیں رہا ہو گا، اور جو اختلاف ہمیں نظر آرہا ہے وہ ہمارے سوء فہم کا نتیجہ ہے، اور اگر کہیں یقین ہو جائے کہ انہوں نے سلف کے منہج کو ترک کیا ہے تو چونکہ ہم پر سلف کے منہج کی پیروی ضروری ہے، نہ کہ اکابر کی، اور وہی نجات کی راہ ہے، اس لیے ہم سلف کے منہج کو پکڑتے ہوئے اپنے اکابر کے بظاہر مخالف طرز عمل کی بہتر سے بہتر توجیہ پیش کریں اور ان کے لیے اعذار تلاش کریں، نہ کہ انہیں سلف کے مقابلے میں لا کھڑا کریں، کیوں کہ ہمارے اکابر نے نہ ہی اس کی دعوت دی ہے اور نہ ہی یہ ان کا منہج ہے۔ گویا اکابر پرستی میں منہج سلف کو ترک کرنا منہج سلف سے بھی انحراف ہے اور اکابر کے منہج سے بھی انحراف ہے۔ کیوں کہ ہمارے اکابر کتاب وسنت اور فہم سلف کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے۔ اور ایسی صورت میں ہم میں اور گمراہ فرقوں میں کوئی فرق بھی نہیں رہے گا جو اکابر پرستی میں غلو کرتے ہوئے کتاب وسنت اور منہج سلف سے دور ہوتے چلے گئے۔

اس مختصر تمہید کے بعد آگے ہم غور کرتے ہیں کہ کیا واقعی ہمارے اکابر نے اہل بدعت کے ساتھ تعامل کے باب میں اسلاف کرام کے منہج کو بالائے طاق رکھ دیا تھا جیسا کہ بعض حضرات اسلاف کے اس موقف کو سن کر غیظ وغضب کا شکار ہو جاتے اور انہیں بلا کسی دلیل وبرہان کے محض اکابر پرستی کے زعم میں رد کر دیتے ہیں:

● اسلاف کرام اور اکابر اہل حدیث کا منہج:

اوپر اہل بدعت کے ساتھ تعامل کے سلسلے میں اسلاف کرام صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اسلام کا جو اجماعی منہج بیان کیا گیا ہے وہ چار اصولوں پر مبنی ہے:

۱-پہلا اصول: اہل بدعت سے بغض اور عداوت رکھنا۔

اس اصول کا تعلق مسئلہ عقیدہ ولاء وبراء سے ہے، یعنی کسی سے خالص اللہ کے لیے محبت کرنا اور اسی کے لیے بغض رکھنا، اور اس کا تقاضا ہے کہ ایک بدعتی سے بغض رکھا جائے کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہوتا ہے، دین کا خائن وغدار ہوتا ہے، وہ اللہ کے دین میں تحریف پیدا کرنے اور اسے مسخ کرنے کی کوشش کرتا ہے، شریعت سازی میں وہ اپنے آپ کو اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے، اور اللہ

کے بندوں کو ضلالت وگمراہی اور جہنم کی راہ کی طرف بلاتا ہے، لہذا ہر مومن سے مطلوب ہے کہ وہ اہل بدعت سے اس کی بدعت کے بقدر بغض اور عداوت رکھے۔ اس میں کسی بھی قسم کا خلل در اصل ایمان اور عقیدے میں خلل ہے۔ اسی لیے بدعت اور اہل بدعت کی مذمت اور شناعت پر نصوص شریعت بھرے ہوئے ہیں اور اس میں کسی بھی قسم کی مداہنت جرم عظیم اور ایمان وعقیدے کے لیے خطرہ ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے ویسے ہی بغض رکھا جائے گا جیسے کافروں اور منافقوں سے رکھا جاتا ہے، بلکہ ان کے ایمان کے بقدر ان سے دوستی اور محبت بھی رکھی جائے گی، اور بیک وقت ایک شخص سے اس کے ایمان کے بقدر محبت رکھنا اور فسق وبدعت کے بقدر دشمنی اور بغض رکھنا یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے، اور اس میں وہ خوارج اور مرجئہ کے افراط اور تفریط کے درمیان ہیں۔ اس لیے ایک بدعتی شخص (جس کی بدعت مکفرہ نہ ہو) کے لیے استغفار اور اس پر ترحم کرنا، اس کے نماز جنازہ میں شریک ہونا جائز ہے، لیکن چونکہ وہ بدعتی بھی ہے اور لوگوں کو اس کی بدعت سے بچانا بھی ہے، اس لیے اہل علم وفضل کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا علانیہ نہ کریں تاکہ اس سے لوگ عبرت پکڑیں، بدعت کی شناعت وقباحت ان کے دل میں باقی رہے، اور ایک بدعتی سے جو نفرت اور بغض مطلوب ہے وہ خالص محبت میں نہ بدل جائے اور لوگ اس کے نقش قدم پر نہ چلنے لگیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے اکابر اہل حدیث اہل بدعت سے بغض نہیں رکھتے تھے، وہ ان سے خالص محبت کرتے تھے؟ اور وہ عقیدہ ولاء وبراء کے مفہوم سے ناآشنا تھے؟

حاشا وکلا! یقیناً وہ اس باب میں سلف کے منہج پر تھے اور اس میں کسی کا بھی اختلاف یقیناً نہیں ہونا چاہیے۔

۲- دوسرا اصول: اہل بدعت کی صحبت اختیار کرنے اور ہم نشینی سے بچنا۔ اس میں ان کے دروس اور محاضرات کو سننا، ان کی کتابیں پڑھنا وغیرہ بھی داخل ہیں۔

اہل بدعت کے ساتھ تعامل میں اہل سنت وجماعت کا یہ دوسرا متفقہ اصول ہے۔ یہ اصول در حقیقت عقیدہ ولاء وبراء، جو ایمان کا سب سے مضبوط کڑا ہے، کے ارد گرد ایک مضبوط دیوار کی طرح ہے، اسی عقیدہ ولاء وبراء کی حفاظت کے لیے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اسلام نے متفقہ طور پر اس دیوار کو پھلانگنے سے منع کیا ہے، جو ہم سے زیادہ دین کو سمجھنے والے، بدعات وخرافات کی باریکیوں سے واقفیت رکھنے والے، اور اپنی اصابت رائے، سلامت طبع، دور بینی، معاملہ فہمی، حکمت وبصیرت اور فہم وشعور میں اعلی وارفع تھے۔

اب جو شخص بھی اپنی ذہانت اور فقاہت پر اعتماد کرتے ہوئے سلف کے اس اصول سے انحراف کرتا ہے اور بدعت اور اہل بدعت سے قریب ہوتا ہے، اور اس دیوار کو پھلانگنے کی کوشش کرتا ہے، وہ اسی قدر عقیدہ ولاء وبراء کے باب میں ضلالت وگمراہی کے غار میں جا گرتا ہے، اس کے دل میں بدعت اور اہل بدعت سے بغض ونفرت کی جگہ محبت اور دوستی لینے لگتی ہے، بدعت کی شناعت وقباحت ختم ہونے لگتی ہے، ائمہ سنت اور علمائے سنت کی محبت دل سے رخصت ہونے لگتی ہے اور ائمہ ضلالت وبدعات کی محبت دل میں گھر کرنے لگتی ہے، جس کی وجہ سے دل تاریک اور بیمار ہونے لگتا ہے۔ کیونکہ ائمہ سنت کی کتابیں اور باتیں کتاب وسنت اور آثار سلف سے مزین ہوتی ہیں، اور چونکہ قرآن وسنت کے نصوص سراپا نور ہیں اس لیے وہ دلوں کو نور سے معمور کر دیتے ہیں، ان سے شبہات وشہوات کی تاریکیاں چھٹتی ہیں، حقائق روز روشن کی طرح عیاں ہوتے ہیں، جبکہ ائمہ بدعت وضلالت کی کتابوں اور باتوں میں اکثر عقلی موشگافیاں، فلسفیانہ گفتگو، قیاس آرائیاں، باطل استدلالات، اور ضعیف وموضوع روایتیں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے انہیں پڑھ اور سن کر قلوب واذہان تاریک ہو جاتے ہیں، شبہات وشہوات کا غلبہ شدید تر ہونے لگتا ہے، حق وباطل خلط ملط ہونے لگتا ہے، انسان متشابہات میں الجھ کر محکمات کا انکار کرنے لگتا ہے، پھر دھیرے دھیرے اس کی سوچ وفکر اہل باطل کے سانچے میں ڈھلنے لگتی ہے، اور ایک وقت وہ خود محدثات وبدعات کو گلے لگانے لگتا ہے اور حق اور اہل حق کا دشمن

بن جاتا ہے۔ ان کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے بڑے بڑے نتیجے اخذ کرتا ہے، ان کے تئیں لمز و ہمز، طعن و تشنیع، کذب وافتراء کو روا سمجھنے لگتا ہے، جبکہ اس کے بالمقابل اہل بدعت کے لیے تعصب رکھنے لگتا ہے، ان کے بڑے بڑے انحرافات یہاں تک کہ کفریات تک کی تاویلیں کرنے لگتا ہے، اور ان پر رد کرنے والوں کو متشدد اور انتہاپسند قرار دیتا ہے، جبکہ انتہاپسندی اور تشدد یہ ہے کہ انسان کتاب وسنت سے منحرف ہو جائے، فہم سلف سے اعراض کرنے لگے اور دین میں محدثات اور مخترعات کے لیے راہیں ہموار کرنے لگے۔

خود آپ اپنے گرد وپیش کے ماحول پر نظر دوڑائیں، اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو ٹٹول کر دیکھیں، ان میں سے جس نے بھی سلف کے اس اصول کو بالائے طاق رکھا، اہل باطل کی کتابوں اور تقریروں کو پڑھنا اور سننا شروع کیا، ان کی کیا حالت ہوئی؟

● اس اصول میں اکابر کا طرز عمل:

اب سوال یہ ہے کہ ہمارے کتنے اکابر ہیں جو اہل بدعت کی صحبت اور ہم نشینی اختیار کرتے تھے؟ یعنی ان کے علمی دروس میں شریک ہوتے تھے اور ان کے ساتھ صبح وشام اٹھتے بیٹھتے تھے؟

اور اگر کسی نے ان کی صحبت اختیار کی ہے تو ان کا ذاتی عمل ہمارے لیے حجت ہے یا پھر صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ سنت کا طرز عمل؟

۳ - تیسرا اصول: اہل بدعت سے قطع تعلقی اور ان کا سماجی بائیکاٹ کرنا۔

اس اصول کا مقصد بدعتی کی زجر وتوبیخ ہے، کیونکہ جب سماج میں اس کا بائیکاٹ کیا جائے گا تو وہ بدعت سے تائب بھی ہو سکتا ہے، اور اس سے دوسرے لوگ جو اس کے نقش قدم پر چلنا چاہیں گے ان کی حوصلہ شکنی بھی ہوگی، لیکن یہ مقصد ایسے ماحول میں حاصل نہیں ہو سکتا جہاں اہل بدعت کا غلبہ ہے، وہاں بائیکاٹ سے ہم خود تنہا پڑ جائیں گے، اس لیے ایسی جگہ ان سے ایسے تعلقات قائم رکھنا جن سے یہ ظاہر نہ ہو کہ ہم اپنے اصول اور مسلمات میں ان سے مصالحت کر رہے ہیں جائز ہے بلکہ بسا اوقات دعوت کی افادیت کے اعتبار سے شرعا مطلوب امر بھی ہے۔

ہمارے اکابر اہل حدیث کے بیشتر تعلقات اہل بدعت سے اسی طرح کے تھے، وہ سیاسی، ملی اور سماجی بنیادوں پر ان سے تعلقات رکھتے تھے اور یہ بر صغیر کے ماحول میں دعوتی ناحیے سے جائز اور مطلوب امر ہے، لیکن ساتھ ہی وہ بدعت اور اہل بدعت کے تئیں شدید بھی تھے، انہوں نے ان پر رد کرنے میں کسی طرح کی مداہنت سے کام نہیں لیا ہے۔ ان کے اس طرح کے تعلقات سے یہ استدلال کرنا کہ وہ اہل بدعت سے بغض نہیں رکھتے تھے، وہ اباحیت پسند تھے، وہ ہر طرح کے بدعتی سے گھل مل کر رہنے، ان کی کتابوں کو پڑھنے اور انہیں سننے کو جائز سمجھتے تھے، وہ ائمہ مضلین سے تحذیر کے قائل نہیں تھے، یہ دراصل ان پر بہت بڑا بہتان اور الزام ہے، اور اس غلط استدلال کے ذریعے اہل سنت کے متفقہ دوسرے اصول کو گول کرنے کی کوشش کرنا اکابر کے نام پر بہت بڑا دھوکا اور فراڈ ہے۔

۴ - چوتھا اصول: اہل بدعت کی تذلیل وتحقیر کرنا، ان کو سزائیں دینا، ان کو اپنے درمیان سے بھگانا وغیرہ۔

اس اصول کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اہل بدعت کی کتابوں اور باتوں کے قریب جانے سے حتی الوسع روکا جائے۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ائمہ بدعات کے افکار پر رد کرنے سے پہلے خود ان کی اہانت کی جائے، ان کی تحقیر کی جائے اور ان کی شخصیت کو ہی لوگوں کی نگاہ میں کمتر بنایا جائے، کیونکہ انہوں نے خود بدعات کا ارتکاب کرکے اپنی اہانت کی ہے، اور اللہ اور اس کے رسول کی دشمنی مول لی ہے، اور وہ اس کے دین میں فراڈ اور جعل سازی کرتے اور لوگوں کے دین وایمان کو تباہ کرنے کے مجرم قرار پائے ہیں۔

اب اس میں جتنا تساہل برتا جائے گا اور ائمہ سنت کے منہج سے انحراف اختیار کیا جائے گا اسی قدر لوگوں کے دلوں میں اہل بدعت کی تعظیم وتوقیر پیدا ہوگی، اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگ لا محالہ دوسرے اصول کو توڑیں گے اور ان کی کتابوں، لیکچرز، اور تقریروں کو سننا شروع کریں گے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ لوگ ان کے انحرافات کو قبول کرتے جائیں گے، ان کے شبہات کا شکار

ہوں گے، اور عقیدہ ولاء وبراء جو اصول دین میں سے ہے وہ کمزور ہوتا جائے گا۔

اس اصول میں بھی ہمارے اکابر عمومی طور پر منہج سلف کے پیروکار تھے۔ اہل بدعات کے خلاف ان کے جہاد کا طویل سلسلہ اسی کا غماز ہے، لیکن یہاں اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے تقلید اور اہل تقلید پر رد کرنے میں زیادہ زور صرف کیا، جس کی وجہ سے وہ اس باب میں خط امتیاز کھینچنے میں پوری طرح کامیاب ہو گئے، لیکن تحریکیت اور اہل تحریک کے رد میں وہ اس قدر متوجہ نہیں ہوئے، یا مولانا مودودی کے عدم تقلید کے رجحان کو تقلید وجمود کے زور کو توڑنے میں نفع بخش سمجھ کر اکثر علماء نے ان کے انحرافات سے اغماض کیا، حالانکہ سلفیت تقلید اور عدم تقلید کے درمیانی راہ منہج سلف کی پیروی کا نام ہے، مطلقاعدم تقلید بسا اوقات تقلید سے بھی زیادہ ضلالت وگمراہی کا سبب بنتی ہے۔ یا پھر جماعت اسلامی ایک نئی تحریک ہونے کی بنیاد پر اکثر علماء اس کے افکار اور سنگینی سے کما حقہ واقف نہیں ہوئے اور حسن ظن کی بنیاد پر مولانا مودودی کے تئیں نرم گوشہ اختیار کرلیا، حالانکہ انفرادی طور پر کئی علماء نے مودودی کو اور ان کے افکار کو بے نقاب کیا لیکن اس باب میں وہ اجتماعی اور ہمہ گیر کوشش نہیں رہی جو منہج سلف اور تحریکیت کے درمیان خط امتیاز کھینچ سکے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر اہل حدیث جماعت اسلامی میں ضم ہو کر رہ گئے، اور تحریکیت کے جراثیم ان کے اندر سرایت کر گئے، ان کے مدارس کی لائبریریاں اہل تقلید کی کتابوں سے تو خالی رہیں اور اس میں وہ کامیاب رہے، لیکن مودودی، حسن البناء، سید قطب، قرضاوی اور ان جیسے تحریکی مفکرین کی کتابوں سے پُر رہیں، اور ان کے رد میں جو کتابیں ہمارے بعض اکابر جیسے مولانا ثناء اللہ امرتسری، شیخ محدث گوندلوی، شیخ اسماعیل سلفی اور دیگر حضرات نے لکھی ہیں ان سے اکثر لائبریریاں خالی رہیں اور آج بھی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ شیخ صلاح الدین یوسف کی کتاب "خلافت وملوکیت" موجود ہے۔ یا اگر کسی لائبریری میں وہ کتابیں ہیں بھی تو بچوں کو ان سے واقف نہیں کرایا جاتا ہے۔

اہل تقلید وجمود کے رد میں ہمارے اکابر نے اس اصول کو تو پوری طرح برتا، لیکن جو نئی تحریکیں جنم لی ہیں ان کے رد میں ہمارے اکابر سے معاملے کی سنگینی کو سمجھنے میں کہیں نہ کہیں چوک ہوئی ہے جس کا بہت بڑا خمیازہ جماعت اہل حدیث کو بھگتنا پڑ رہا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ اس کا فورا تدارک کیا جائے، اور رافضیت، خارجیت، اباحیت سے تیار شدہ اس جدید مذہب اور فتنے سے ہماری جماعت کے نونہالوں کو بچانے کی کوشش کی جائے۔

● **تنبیہ:**

بہت سارے اہل حدیث لکھاری جو منہج سلف سے کما حقہ واقف نہیں ہیں وہ اپنی نادانی کی بنیاد پر یہ بات اکثر کہتے ہیں کہ شخصیت پر رد نہ کرو بلکہ افکار پر رد کرو، یعنی وہ اس اصول کا انکار کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ پہلے ان کو غار کے کنارے جانے دو، پھر جب وہ اس میں گرنے لگیں تو بچانے کی کوشش کرو، جبکہ کمالِ نصیحت کا تقاضا یہ ہے اور جس کو اسلاف کرام نے اختیار کیا ہے کہ پہلے ہی متنبہ کیا جائے کہ اس جگہ کے قریب مت جاؤ، کیونکہ گڑھے میں گرنے کا ڈر ہے، لیکن اس کے باوجود کوئی اگر نادانی کی بنیاد پر چلا جائے تو پھر اگلی کوشش ہونی چاہیے کہ اسے کیسے بچایا جائے، لیکن اگر کوئی کہے کہ نہیں نہیں سب کو وہاں جانے دو، ڈراؤ مت، خوف مت پھیلاؤ، ہاں جب گرنے لگے تو پھر بچانے کی کوشش کرو، ظاہر ہے ایسی صورت میں اکثریت تو اس میں گر جائے گی، لیکن اگر پہلے متنبہ کیا جائے گا تو اکثریت بچ جائے گی۔

در اصل اہل بدعت کی تحذیر سے روکنے والے یا ان کی تعریف کرنے والے اور ائمہ سلف کی راہ کو ترک کرنے والے ضلالت کے غار کی طرف لوگوں کو پہلے جانے دیتے ہیں، یا پھر لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتے ہیں، پھر وہ بچانے کا مشورہ دیتے ہیں حالانکہ وہ خود گر چکے ہوتے ہیں تو وہ دوسروں کو کیا بچا پائیں گے، یا پھر بچانے والوں پر ہی مختلف مقدمے دائر کردیتے ہیں۔

اللہ رب العالمین ہم سب کو منہج سلف کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

قلم ساتھ رہے

محمد عمر صلاح الدین
السنۃ الاولیٰ المشترکہ، جامعۃ الملک سعود، ریاض

مطالعۂ کتب کے شائقین حضرات اس بات سے بخوبی واقف ہوں گے کہ کتابوں کی ورق گردانی کے دوران بیشتر اوقات بہت ساری قیمتی باتیں، علمی لطائف اور اپنے طبیعت ومزاج اور تخصص وودلچسپی سے ہم آہنگ علمی وتحقیقی فوائد ونکات سامنے آتے رہتے ہیں ایسی صورت میں ہر ایک شخص اپنی سہولت کے مطابق اسے ذہن نشین کرنے، اپنے مذکّرات اور نوٹ بک وغیرہ میں مخصوص رموز واشارات کے ساتھ ہی سہی، ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کرتا ہے، بہت سارے لوگ اپنے ذہنی یاد داشت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس طریقۂ کار کو ازراہِ تساہل نظرانداز بھی کردیتے ہیں، تو کچھ لوگ کتابوں میں خط کشیدگی کا طریقہ اپناتے ہیں، لیکن اب چونکہ پی ڈی الف فائل میں کتابیں رکھنے، پڑھنے کی طرف لوگوں کے رجحانات میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے، اور بصورتِ مجبوری میرا اپنا بھی یہی مزاج بنا چکا ہے بہر حال اس کی وجہ سے نتیجتاً حفظ وضبط اور تشکیل وخط کشیدگی کا طریقہ بھی تقریباً ناپید ہوتا جارہا ہے۔

آیئے علماء اسلام اور اسلافِ امت کے اقوال وتجربات کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ ان کے یہاں کس طرح صرف حصول علم اور پڑھنے وکثرت مطالعہ ہی پر اکتفانہ کرکے بلکہ اس کی حفاظت کا بھی بندوبست اپنی اپنی سہولیات کے مطابق کیا جاتا تھا جبکہ ان کے یہاں فرط ذکاوت وسرعت حفظ اور قوتِ ذہانت ویاد داشت کے ایسے ایسے نادر نمونے پائے جاتے ہیں کہ آدمی انہیں سن کر حیران وششدر رہ جائے۔

چنانچہ ابو بکر خطیب بغدادی رحمہ نے اپنی صحیح سند سے امام عامر بن شر حبیل الشعبی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "الكتاب قيد العلم" کہ لکھ کر ضبط تحریر میں علم کی حفاظت کرنی چاہیے۔(تقييد العلم للخطيب ص:١٢٧)

امام محمد بن ادریس شافعی (المتوفی:۲۰۴ھ) رحمہ اللہ نے اس حوالے سے کتنی پیاری ناصحانہ بات تمثیلی پیرہن میں کہی ہے وہ فرماتے ہیں:

العلم صيد والكتابة قيده
قيِّد صيودك بالحبال الواثقة
فمن الحماقة أن تصيد غزالة
وتتركها بين الخلائق طالقة

علم شکار ہے اور کتابت اسے قید کرنے کا نام ہے۔ (لہذا) اپنے شکاروں کو مضبوط رسیوں سے باندھ رکھو، یہ بیوقوفی ہے کہ تم ہرنی کا شکار کرکے اسے لوگوں میں آزاد چھوڑ دو۔

ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا گزر ہوا تو آپ نے فرمایا:

"اعلموا -رحمكم الله- أن هذا العلم يندُّ كما تند الإبل؛ فاجعلوا الكتب حماة؛ والأقلام عليه رعاة"(تقييد العلم ص:١٤٧)

اللہ تم لوگوں پر رحم فرمائے! یہ بات جان لو علم اسی طرح (ذہن ودماغ سے) نکل جاتا ہے جس طرح اونٹ کی نگہداشت ونگرانی نہ کرنے پر وہ بھاگ نکل جاتا ہے لہذا (اسے لکھ کر) کتابوں کی شکل میں محافظ ونگراں مقرر کرلو اور اپنے قلموں کو رقیب ونگہبان بنالو۔

اسی طرح ساتویں صدی ہجری کے عظیم عالم دین امام ابوزکریاالنووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ-۱۲۷۷م) نے اپنی معروف کتاب "المجموع شرح المهذب" کے مقدمے میں جہاں معلم کے آداب پر گفتگو کی ہے وہی آداب متعلم پر بھی بات کرتے ہوئے ایک طالب کو اسی امر کی طرف راہنمائی کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"ولايحتقرن فائدة يراها أو يسمعها في أي فن كانت، بل يبادر إلى كتابتها، ثم يواظب على مطالعة ما كتبه..." (ص:۷۰)

طالب علم کو کسی بھی علمی فائدے کو جسے وہ پڑھ یا سن کر حاصل کرتا ہے، خواہ وہ کسی بھی فن میں ہو، حقیر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اسے لکھ کر محفوظ کرنے میں جلدی کرنی چاہیے، (اسی پر بس نہیں) بلکہ اپنے تمام نوٹس کا برابر مطالعہ بھی کرتا رہے۔

یہ صرف کہنے اور سننے سے متعلق فقط نظریاتی باتیں نہیں ہیں بلکہ علماء نے حفاظت علم کے اس مستحکم طریقے کو اپنایا بھی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام آبو عبد اللہ بدر الدین الزرکشي (۷۴۵ھ-۷۹۴ھ) رحمہ اللہ کے بارے لکھتے ہیں:

كان منقطعا في منزله لا يتردد إلا إلى سوق الكتب، إذا حضره لايشتري شيئا وإنما يطالع في حانوت الكتبي طول نهاره، ومعه ظهور أوراق يعلق فيها ما يعجبه، ثم يرجع فينقله إلى تصانيفه..." (الدرر الكامنة ۳/۳۹۸)

علیحدگی پسند ہونے ناطے گھر ہی میں رہتے تھے، باہر نکلتے بھی تو بُک اسٹال کی طرف رخ کرتے، وہاں پہنچ کر کچھ خریدنے کے بجائے بُک شاپ میں سارا دن محو مطالعہ رہتے، جو باتیں اچھی لگتیں انہیں ساتھ میں رکھے ہوئے اوراق میں اشارتاً لکھ لیتے، بعدازاں گھر آکر اپنی (خصوصی) تصنیفات میں انہیں جگہ دیتے۔

اس سے بھی قبل تیسری صدی ہجری میں امام محمد بن اسماعیل البخاري رحمہ اللہ کی حالت یہ تھی جیسا کہ راوی صحیح بخاری ابوعبداللہ الفربری (۲۳۱ھ-۳۲۰ھ) رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"كنت مع محمد بن إسماعيل بمنزله ذات ليلة، فأحصيت عليه أنه قام وأسرج يستذكر أشياء يعلقها في ليلة ثمان عشرة مرة" (آداب الشافعي ومناقبه لابن أبي حاتم الرازي، ص:۴۵-۴۴)

ایک رات میرا گزر امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ کے پاس ان کے گھر ہوا، میں نے شمار کیا کہ پوری رات میں آپ نے اٹھارہ بار اٹھ کر چراغ جلایا، یہ اس لیے کہ جو باتیں آپ کو اچانک یاد آتیں وہ وہ تحریر فرماتے۔ رحمه الله تعالى وأغدق عليه شآبيب رحمته ورضوانه۔

عصر حاضر میں سعودی عرب کی مشہور علمی شخصیت کبار علماء کی کمیٹی کے موقر رکن اور جامعۃ الامام ریاض کے استاد شیخ سعد بن ترکی الخثلان حفظ اللہ نے اپنے دورانِ مطالعہ علمی نوادرات اور قیمتی جوہرپاروں پر مشتمل اسی نوعیت کی ایک کتاب تالیف کی ہے جس کے مقدمے میں آپ لکھتے ہیں:

"وقد بدأت في مرحلة مبكرة من العمر في تقييد ما يمر بي من فوائد ونوادرسواء من الكتب أوالمجلات أوالصحف أوغير ذلك، فاجتمع عندي منها مذكرات كثيرة..." (لطائف الفوائد)

میں نے اپنی کم سنی ہی سے (مطالعۂ کتب کے دوران) سامنے آنے والے علمی فوائد و نوادرات کو نوٹ کرنا شروع کیا خواہ وہ کتابوں میں (ملے ہوں) یا میگزین اور دیگر اخبارات وغیرہ میں، جس سے میرے پاس ڈھیر سارے نوٹس تیار ہو گئے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مطالعۂ کتب کے دوران سامنے آنے والے علمی فوائد ونکات، جوہر پارے اور پسندیدہ آراء

وتخیلات کو جمع کرنے کا طریقہ قدیم زمانے سے اب تک چلا آرہا ہے، اور اسی طریقۂ کار کو اپنانے کے نتیجے میں بہت ساری "محسن" کتابیں معرضِ وجود میں آئی ہیں اور متقدمین ومتاخرین علماء کی اس نوعیت کی کتابیں ہمارے اسلامی کتب خانوں کی زینت بنی رہی ہیں۔

یہاں چند کتابوں کے نام بر سبیل احصاواستیعاب نہیں بلکہ بطور تمثیل ذکر کئے جارہے ہیں تاکہ اس کی روشنی میں ایک طالب علم کو طریقہ کار کے ساتھ ساتھ استیناس بھی ہوسکے۔

اس قبیل سے بہت ساری کتابیں قدیم وجدید زمانے سے منظر عام پر آتی رہی ہیں، واضح رہے کہ ان کتابوں کے مسمیات مختلف ہیں، کچھ کتابوں کا تذکرہ خود شیخ محترم حفظہ اللہ نے مذکورہ کتاب کے مقدمے میں کیا ہے وہ بالترتیب یہ ہیں:

(۱) الفنون :اس نام سے ابو الوفا علي بن عقیل الحنبلی(المتوفی: ۵۱۳ھ)رحمہ اللہ نے ایک کتاب تالیف کی ہے۔

(۲)صید الخاطر: امام ابو الفرج عبد الرحمن بن أبي الحسن الجوزی(المتوفی:۵۹۷ھ) رحمہ اللہ کی مشہور کتاب اسی نام سے ہے۔

(۳)المخلاۃ: شیعہ عالم دین بہاء الدین محمد بن الحسین العاملی(المتوفی:۱۰۲۱ھ) نے اس نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ مولف کتاب سے عقیدہ اور فکر کے شدید اختلافات باوجود یہاں مخصوص فنی تنوع کے پیش نظر ذکر کرنا مقصود ہے۔

(۴)التذکرۃ: ابو المعالی محمد بن الحسن بن ابن حمدون البغدادي(المتوفی:۵۶۲ھ) کی کتاب "التذکرۃ الحمدونیة" کے نام سے دس جلدوں میں مطبوع ہے۔

(۵)کناشة: جیساکہ مصری مورخ عبد السلام ہارون (المتوفی:۱۹۸۸م) کی کتاب "کناشة النوادر" اسی نام سے موسوم ہے جو پچاس سال کے مطالعہ کا نچوڑ ہے۔

(۶)الکشکول: اسی مذکورہ شیعہ عالم دین بہاء الدین محمد بن الحسین العاملی(المتوفی:۱۰۲۱ھ) کی تالیف "الکشکول" بھی ہے۔

(۷)الفوائد: اس نام سے کئی اہل علم نے کتابیں تالیف کی ہیں جن میں سر فہرست امام ابن القیم الجوزیہ (المتوفی:۷۵۱ھ) رحمہ اللہ کی کتاب "بدائع الفوائد" ہے جو اپنی نکتہ وارانہ لطائف سے پُر ہونے کی وجہ سے علماء وطلباء کے درمیان خاص توجہ کا مرکز رہی ہے۔

اسی طرح عبد الرحمن بن ناصر السعدي (المتوفی: ۱۳۷۶ھ) رحمہ اللہ کی کتاب "مجموع الفوائد واقتناص الأوابد" اور آپ کے شاگرد رشید شیخ محمد بن صالح العثیمین (المتوفی:۱۴۲۱ھ) رحمہ اللہ کی کتاب "المنتقی من فرائد الفوائد" بھی ہے۔

شیخ حفظہ اللہ کی ذکرکردہ کتابوں کے علاوہ دیگر مؤلفات بھی ہیں جنہیں میں یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ ہیں:

(۸،۹)الکشکول: مشہور سلفی عالم شیخ عبد اللہ بن عبد العزیز بن عقیل(المتوفی:۲۰۱۱ھ) رحمہ اللہ اور شیخ محمد بن عمر باز مول حفظہ اللہ، دونوں حضرات نے اسی نام سے اپنے حکیمانہ اقوال اور نوادرات علمیہ کو مرتب کیا ہے۔

یہاں ضمنا لفظ "کشکول" کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے ایک بات ملحوظ خاطر رہے کہ جس طرح فقراء اور درویشوں کے مانگے ہوئے مختلف اشیاء بغیر کسی تمیز کے ایک ہی برتن میں جمع ہوتے ہیں اسی طرح ایک مؤلف کے مطالعۂ کتب کا ماحصل، نیز کسی خاص موضوع سے قطع نظر اس کے منتشر پسندیدہ افکار ونظریات ایک ہی کتاب میں اکٹھے ہوجاتے ہیں۔

(۱۰) الکناشة: مازن بن عبدالرحمٰن البحصلی البیروتی اور مہنا

حمد المہنا ان دونوں صاحبان کی کتابیں اسی نام سے ہیں۔

(۱۱) الفوائد: اس نام سے جہاں سے بہت ساری کتابیں کے نام ذکر کئے جا چکے ہیں انہیں میں سے ایک شیخ محمد بن عبدالرحمن العریفي کی کتاب "زبدة الفوائد من كتب ابن تيميه" بھی ہے، نام سے کتاب کا موضوع واضح ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتابوں سے ماخوذ فوائد جمع کئے گئے ہیں۔

بہر کیف حافظے پر کلی طور پر اعتماد کرتے ہوئے مذکورہ طریقہ کار کو نظر انداز کرنا حد درجہ علمی خسارے کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے، اسلامی تاریخ میں اس کی ڈھیر ساری مثالیں مل سکتی ہیں۔

یہی بات عصر حاضر کے ایک عظیم محقق عالم دین تیمیات، قیّمات اور یمانیات کے علمی وارث ومحافظ، مولف کتب کثیرہ بالخصوص طلب علم کے سلسلے میں تشنگانِ علوم کے جذبات وخیالات اور ان کے شعور ووجدان کو مہمیز کر دینے والی کتاب "المشوق إلى القراءة وطلب العلم" کے مصنف شیخ محمد بن علی العمران حفظہ اللہ اسی کتاب کے اخیر میں لکھتے ہیں:

"فكم من عالم أبدى أسفه وحسرته على فوائد فاته تقييدها فشردت، أو اتكل على حافظته فخانته (والحفظ خوان)" (ص:١٤٢)

کہ بے شمار علماء نے اس بات پر اپنے حسرت وافسوس کا اظہار کیا کہ بہت ساری علمی فوائد ونکات بروقت نوٹ نہ کرسکنے کی بنا پر ان سے چھوٹ گئیں یا اپنی یاداشت پر مکمل اعتماد کیا جس نے ساتھ بعد میں ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور کیوں نہ ہو کہ حافظہ خیانت ہی نام ہے۔

اس کے بعد شیخ حفظہ اللہ نے ایک مثال حافظ سخاوی کے حوالے دی ہے کہ انہوں نے اپنے استاد، علمی دنیا کے روشن ستارہ اور احادیث رسول کے بے لوث خادم حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی سوانح زندگی پر مشتمل اپنی کتاب "الجواهر والدرر" لکھاہے:

"أما التفسير فكان آية من آيات الله بحيث كان يظهر التأسف في إهمال تقييد ما يقع له من ذلك مما لا يكون منقولا۔۔" (١/٣٨)

تفسیر کے باب میں (ہمارے شیخ حافظ ابن حجر نابغہ روزگار اور) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، بنابریں آپ کافی اظہار افسوس کرتے تھے کہ بعض غیر منقول تفسیری نکات جو ان کے ذہن وخیال میں وارد ہوتے تھے اسے علی الحین ضبط تحریر میں لا نہیں سکے۔

واضح رہے کہ اس طرح کی کتابیں کسی خاص علم وفن کے بجائے متعدد علوم و فنون مثلا عقیدہ وتفسیر، حدیث وفقہ، عربی زبان، فلکیات، طب وتاریخ اور شعر وادب حتیٰ کہ زندگی کے ذاتی تجربات اور مشاہدات کو بھی شامل ہوتی ہیں، شیخ سعد الختلان حفظہ اللہ اپنی اپنی کتاب کے بارے میں بھی اسی طریقہ کار کو بیان فرماتے ہیں۔

"وقد جاءت فوائد هذا الكتاب متنوعة ما بين فوائد في العلوم الشرعية من العقيدة والتفسير والحديث والفقه في كتب اللغة العربية والفلك والطب والتأريخ والشعر والادب وفي الحكم والتجارب والخبرات في الحياه مع توثيق الفوائد المنقولة من الكتب الى مراجعها" (لطائف الفوائد)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم دین سیکھنے اور اس سلسلے میں صرف کی جانے والی کاوشوں کو بارآور بنائے آمین۔

الإيمان عند الأشاعرة في ضوء عقيدة أهل السنة والجماعة

محمد مصطفى عبد السلام

طالب دكتوراه في قسم العقيدة والمذاهب المعاصرة بجامعة الملك سعود

التمهيد: معنى الإيمان:

أ- الإيمان في اللغة:

الإيمان لغةً: هو مصدر آمن يؤمن إيماناً، فهو مؤمن، ومعناه: التصديق، قال تعالى: ﴿وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لِّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ﴾[يوسف:١٧]، أي: بمصدِّق(١) (٢).

ب- الإيمان شرعاً: هو إقرار باللسان وتصديق بالجنان، وعمل بالأركان؛ يزيد بالطاعة وينقص بالمعصية(٣)(٤).

المبحث الأول: حقيقة الإيمان، وفيه ثلاثة مطالب:

المطلب الأول: حقيقة الإيمان عند الأشاعرة(٥)

إن الأشاعرة لم تكن على مقالة واحدة في مسمى الإيمان، وفي هذا البحث سأذكر أشهر أقوالهم الذي عليه أكثر أصحابه، كالقاضي أبي بكر الباقلاني، وأبي المعالي الجويني وغيره، فالمعروف عندهم الإيمان هو التصديق، كما ذكر شيخ الإسلام ابن تيمية "وأما الأشعري: فالمعروف عنه، وعن أصحابه: أنّهم يوافقون جهماً في قوله في الإيمان، وأنه مجرّد تصديق القلب، أو معرفة القلب"(٦).

قال أبو الحسن الأشعري في اللمع: فإن قال قائل ما الإيمان عندكم؟ قيل: الإيمان هو التصديق بالله وعلى ذلك إجماع أهل اللغة التي نزل بها القرآن الكريم، قال الله تعالى ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ بِلِسَانِ قَوْمِهِ﴾ [إبراهيم: ٤]، فلما كان الإيمان في اللغة التي نزل بها القرآن الكريم، هو التصديق كما قال تعالى: ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا﴾ (يوسف: من الآية١٧) أي: بمصدق لنا، وقالوا جميعاً فلان يؤمن بعذاب القبر والشفاعة ، يريدون يصدق بذلك، فوجب أن يكون الإيمان هو ما كان عند أهل اللغة إيمانا، وهو التصديق "(٧). (ويشبه كلام الباقلاني في التمهيد كما سيأتي).

فقد ذكر القاضي أبو بكر الباقلاني(ت: ٤٠٣هـ) في الإنصاف: "واعلم أن حقيقة الإيمان هو التصديق، واعلم أن محل التصديق هو القلب"(٨).

وقال في التمهيد: "فإن قال قائل: خبرونا ما

---

(١) انظر: لسان العرب، لابن منظور، (٢٣/١٣).

(٢) وقال الأصفهاني: "آمَنَ" إنما يقال على وجهين: أحدهما: متعدياً بنفسه، فيقال: آمنته، أي جعلت له الأمن، والثاني: غير متعدّ ومعناه: صار ذا أمن، انظر: المفردات في غريب القرآن، للأصفهاني، (٩١/١).

(٣) ينظر: الإيمان حقيقته، خوارمه، نواقضه عند أهل السنة والجماعة، لعبد الله بن عبد الحميد الأثري، ص٨٠، الناشر: مدار الوطن للنشر، الرياض، ط.١ ، ١٤٢٤ هـ - ٢٠٠٣ م.

(٤) وذكر ابن منده في "كتاب الإيمان"، فقال: « أن الإيمان قول، وعمل، يزيد وينقص» انظر: كتاب الإيمان، لابن منده، (٣٢٨/١)، ت: علي بن محمد بن ناصر الفقيهي، الناشر: مؤسسة الرسالة.

(٥) الأشاعرة: هم طائفة من أهل الكلام ينتسبون إلى أبي الحسن الأشعري (ت:٣٢٤)، وعامتهم يثبتون سبع صفات لله، ويوافقون المرجئة والجهمية في الايمان، والجبرية في القدر، انظر الملل والنحل، للشهرستاني، (٩٤/١).

(٦) ينظر: النبوات لابن تيمية، (٥٨٠/١).

(٧) انظر: كتاب اللمع في الرد على أهل الزيغ والبدع، ص١٢٣. ت: حموده غرابه، مطبعة مصر شركة مساهمة مصرية، ط١٩٥٥.

(٨) انظر: الانصاف فيم يجب اعتقاده ولا يجوز الجهل به، ص٥٥.

الإيمان عندكم؟ قلنا: الإيمان هو التصديق بالله وهو العلم، والتصديق يوجد بالقلب، فإن قال: فما الدليل على ما قلتم؟ قيل له: إجماع أهل اللغة قاطبة على أن الإيمان قبل نزول القرآن وبعثه النبي صلى الله عليه وسلم هو التصديق، لا يعرفون في اللغة إيماناً غير ذلك، ويدل على ذلك قوله: ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا﴾ (سورة يوسف: ١٧) أي: بمصدق لنا، ومنه قولهم: فلان يؤمن بالشفاعة، وفلان لا يؤمن بعذاب العبر، أي لا يصدق بذلك، فوجب أن الإيمان في الشريعة هو الإيمان في اللغة لأن الله ما غير اللسان العربي ولا قلبه ولو فعل ذلك لتواترت الأخبار بفعله وتوفرت دواعي الأمة على نقله ولغلب إظهاره على كتمانه , وفي علمنا بأنه لم يفعل ذلك بل إقرار أسماء الأشياء والتخاطب بأسره على ما كان دليل على أن الإيمان في الشريعة هو الإيمان اللغوي ومما يدل على ذلك ويبينه قوله تعالى: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه﴾ [إبراهيم: ٤] وقوله: ﴿إنا جعلناه قرآنا عربيا﴾ [الزخرف: ٣] فأخبر أنه أنزل القرآن بلغة العرب وسمى الأسماء بمسمياتهم فلا وجه للعدول بهذه الآيات عن ظواهرها بغير حجة لا سيما مع القول بالعموم وحصول التوقيف على أن القرآن نزل بلغتهم ; فدل على ما قلناه من أن الإيمان ما وصفناه دون ما سواه من سائر الطاعات من النوافل والمفروضات "[١].

وقال الجويني(ت: ٤٠٣ه): أن حقيقة الإيمان التصديق بالله تعالى، فالمؤمن بالله من صدقه، والدليل على أن الإيمان هو التصديق صريح اللغة وأصل العربية، وهذا لا ينكر فيحتاج إلى إثباته، وفي التنزيل:﴿ وما أنت بمؤمن لنا ولو كنا صادقين﴾ معناه وما أنت بمصدق لنا"[٢].

وقال إبراهيم اللقاني(ت: ٤٠٣ه) في منظومته:

وفسر الإيمان بالتصديق ... والنطق فيه الخلف بالتحقيق[٣].

فخلاصة كلامهم أن الايمان: التصديق وهو العلم، مع أن تعبيراتهم تختلف أحياناً فيقولون: هو العلم ،كقول جهم ابن صفوان، وتارة يقولون: هو التصديق[٤].

المطلب الثاني: الردّ على الأشاعرة:

الرد عليهم من عدة وجوه، ومنها:

١- دعوى إجماع أهل اللغة على أن الإيمان قبل نزول القرآن هو التصديق، يقال: من نقل هذا الإجماع؟ ومن أين هذا الإجماع؟ وفي أي كتاب ذكر هذا الإجماع؟، ثم يقال: أتعني بأهل اللغة نقلتها كأبي عمرو، والأصمعي، والخليل ونحوهم، أو المتكلمين بها؟ فإن عنيت الأول، فهؤلاء لا ينقلون كل ما كان قبل الإسلام بإسناد، وإنما ينقلون ما سمعوه من العرب في زمانهم، وما سمعوه في دواوين الشعر وكلام العرب وغير ذلك بالإسناد، ولا نعلم فيما نقلوه لفظ الإيمان، فضلاً عن أن يكونوا أجمعوا عليه، وإن عنيت المتكلمين بهذا اللفظ قبل الإسلام فهؤلاء لم نشهدهم ولا نقل لنا أحد عنهم ذلك.

---

(١) انظر: التمهيد ص٣٤٦-٣٤٧ لابي بكر الباقلاني، باب القول في معنى الايمان، الناشر: المكتبة الشرقية بيروت١٩٥٧م

(٢) انظر: الإرشاد إلى قواطع الأدلة في أصول الاعتقاد، للجويني، ص٣٩٧.

(٣) انظر: جوهرة التوحيد لإبراهيم بن إبراهيم اللقاني ص٣، مخطوط على الموقع الالكتروني بجامعة الملك سعود.

(٤) ينظر: الايمان لابن تيمية ص١٠٠، ومجموع الفتاوى، (٩٤/٢).

٢- أنه لا يعرف عن هؤلاء جميعهم أنهم قالوا: الإيمان في اللغة هو: التصديق، بل ولا عن بعضهم، وإن قُدِّر أنه قاله واحد أو اثنان، فليس هذا إجماعاً.

٣- أنه لم يذكر شاهداً من كلام العرب على ما ادّعاه عليهم، وإنما استدل من غير القرآن بقول الناس: فلان يؤمن بالشفاعة، وفلان يؤمن بالجنة والنار، وفلان يؤمن بعذاب القبر، وفلان لا يؤمن بذلك، ومعلوم أن هذا ليس من ألفاظ العرب قبل نزول القرآن، بل هو مما تكلم الناس به بعد عصر الصحابة رضي الله عنهم، لما صار من الناس أهل البدع يكذبون بالشفاعة وعذاب القبر، ومرادهم بذلك هو مرادهم بقوله: فلان مؤمن يؤمن بالجنة والنار، وفلان لا يؤمن بذلك، وإن كان تصديق القلب داخلاً في مراده، فليس مراده ذلك وحده، بل مراده التصديق بالقلب واللسان، فإن مجرد تصديق القلب بدون اللسان لا يعلم حتى يخبر به عنه[1].

وأما استدلالهم من قوله تعالى: ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا﴾ (يوسف: ١٧) أي بمصدق لنا، وكذلك قولهم: الإيمان هو مرادف للتصديق، فيردّ عليهم من عدة وجوه، ومنها:

أ- أن لفظ الإيمان تكرر في القرآن والحديث أكثر من غيره من الألفاظ، والإيمان أصل الدين، وكل مسلم يحتاج إلى معرفته، فلا بد أن يؤخذ معنى الإيمان من جميع موارده، لا من آية واحدة.

ب - أن الإيمان ليس مرادفاً للتصديق لعدة أسباب: ومنها:

١- أنه يقال للمخبر إذا صدق: صدقه، ولا يقال: آمنه، ولا آمن به، بل يقال: آمن له، كما قال تعالى: ﴿فآمن له لوط﴾ [العنكبوت: ٢٦]، وقوله تعالى: ﴿فما آمن لموسى إلا ذرية من قومه على خوف﴾ [يونس: ٨٣]، وقال تعالى: ﴿يؤمن بالله ويؤمن للمؤمنين﴾ [التوبة: ٦١]، ففرق بين المعدى بالباء والمعدى باللام، فالأول يقال للمخبر به، والثاني للمخبر، ولا يرد كونه يجوز أن يقال: ما أنت بمصدق لنا؛ لأن دخول اللام لتقوية العامل، كما إذا تقدم المعمول، أو كان العامل اسم فاعل، أو مصدراً، على ما عرف في موضعه. فالحاصل أنه لا يقال: قد آمنته، ولا صدقت له، إنما يقال: آمنت له، كما يقال: أقررت له، فكان تفسيره بأقررت. أقرب من تفسيره بصدقت، مع الفرق بينهما؛ لأن الفرق بينهما ثابت في المعنى.

٢- وإن كل مخبر عن مشاهد أو غيب، يقال له في اللغة: صدقت، كما يقال له: كذبت، فمن قال: السماء فوقنا، قيل له: صدقت، وأما لفظ الإيمان فلا يستعمل إلا في الخبر عن الغائب، فيقال لمن قال: طلعت الشمس: صدقناه، ولا يقال: آمنا له، فإن فيه أصل معنى الأمن، والائتمان إنما يكون في الخبر عن الغائب، فالأمر الغائب هو الذي يؤتمن عليه المخبر. ولهذا لم يأت في القرآن وغيره لفظ آمن له. إلا في هذا النوع.

٣- وإن لفظ الإيمان لم يقابل بالتكذيب كما يقابل لفظ التصديق، وإنما يقابل بالكفر، والكفر لا يختص بالتكذيب، بل لو قال: أنا أعلم أنك صادق ولكن لا أتبعك، بل أعاديك وأبغضك وأخالفك لكان كفرا أعظم، فعلم أن الايمان ليس التصديق

---

(١) انظر: الإيمان لابن تيمية (ص: ١٠٢-١٠٣)، ومجموع الفتاوى (١٢٣/٧-١٢٤)، وموقف ابن تيمية من الأشاعرة لعبد الرحمن صالح المحمود، ص١٣٥٧-١٣٥٨

فقط، ولا الكفر التكذيب فقط، بل إذا كان الكفر يكون تكذيبا، ويكون مخالفة ومعاداة بلا تكذيب, فكذلك الإيمان، يكون تصديقا وموافقةً وانقياداً، ولا يكفي مجرد التصديق، فيكون الإسلام جزء مسمى الإيمان، ولو سلّم الترادف، فالتصديق يكون بالأفعال أيضا، كما ثبت في الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "العينان تزنيان، وزناهما النظر، والأذن تزني، وزناها السمع" , إلى أن قال: " والفرج يصدق ذلك أو يكذبه[(١)]"[(٢)].

لوازم قولهم:

يلزم بقولهم أن فرعون وقومه كانوا مؤمنين، فإنهم عرفوا صدق موسى وهارون عليهما الصلاة والسلام ولم يؤمنوا بهما، ولهذا قال موسى لفرعون: ﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ﴾، وقال تعالى: ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْماً وَعُلُوّاً فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾، وهو من أكبر خلق الله عناداً وبغياً، كما قال تعالى: ﴿إن فرعون علا في الأرض وجعل أهلها شيعا يستضعف طائفة منهم يذبح أبناءهم ويستحي نساءهم إنه كان من المفسدين﴾ [القصص: ٤] ، وكذلك اليهود الذين قال الله فيهم: ﴿الذين آتيناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون أبناءهم﴾ [البقرة: ١٤٦]، فهم يعرفون النبي صلى الله عليه وسلم كما يعرفون أبناءهم، ولم يكونوا مؤمنين به، بل كافرين به، معادين له، وكذلك أبو طالب عندهم يكون مؤمناً فإنه قال:

ولقد علمت بأن دين محمد ... لولا الملامة أو حذار مسبَّة

من خير أديان البرية دينا ... لوجدتني سمحاً بذاك أمينا

بل إبليس يكون عندهم مؤمناً كامل الإيمان؛ فإنه لم يجهل ربه، بل هو عارف به: ﴿قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾ [الحجر: ٣٦] وقوله تعالى ﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي﴾ [الحجر: ٣٩] وقوله تعالى ﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ [ص: ٨٢] [(٣)].

المطلب الثالث :الإيمان عند أهل السنة والجماعة.

إن الإيمان عند أهل السنة والجماعة هو: قول وعمل، كما قال الإمام البخاري: " لقيت أكثر من ألف رجل من العلماء بالأمصار فما رأيت أحداً منهم يختلف في أن الإيمان قول، وعمل، ويزيد وينقص" [(٤)].

وقال الإمام البغوي: "اتفقت الصحابة والتابعون، فمن بعدهم من علماء السنة على أن الأعمال من الإيمان، وقالوا: إن الإيمان قول، وعمل،

---

(١) رواه البخاري في صحيحه، (٥٤/٨)، برقم،٦٢٤٣ .

(٢) انظر: الإيمان لابن تيمية ص: ٢٢٧-٢٢٩)، ومجموع الفتاوى (٢٨٩/٧-٢٩٢) وشرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الحنفي، ص٣٣٧-٣٣٨.

(٣) انظر: الإيمان لابن تيمية ص١٥٢، ومجموع الفتاوى (١٨٩/٧) وشرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العز الحنفي، ص٣٣٢، والإيمان بين السلف والمتكلمين لأحمد بن عطية الغامدي، ص١٩٥ الناشر: مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، المملكة العربية السعودية الطبعة: الأولى، ١٤٣٢ه/٢٠٠٢م

(٤) ينظر: فتح الباري شرح صحيح البخاري، لابن حجر، (٤٧/١)، وشرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، للالكائي، (٩٣/١).

وعقيدة"[١].

وكذلك بين شيخ الاسلام ابن تيمية عقيدة اهل السنة والجماعة بقوله: "ومن أصول أهل السنة والجماعة: أن الدين والإيمان قول وعمل: قول القلب واللسان، وعمل القلب واللسان والجوارح"[٢](سيأتي بيانها).

وقال الإمام الآجري: "إن الإيمان هو تصديق بالقلب، وإقرار باللسان، وعمل بالجوارح ولا يكون العبد مؤمناً، إلا أن تجتمع فيه هذه الخصال الثلاث، وقد دل على ذلك القرآن والسنة، وقول علماء المسلمين"[٣].

وأما معنى "**قول وعمل**" في بيان الايمان فهو كما يلي:

الأول:

قول القلب: وهو تصديقه وإيقانه, كما في قوله تعالى: ﴿والذي جاء بالصدق وصدق به أولئك هم المتقون، لهم ما يشاءون عند ربهم ذلك جزاء المحسنين﴾ [الزمر: ٣٣، ٣٤]، وقوله تعالى: ﴿إنما المؤمنون الذين آمنوا بالله ورسوله ثم لم يرتابوا﴾ [الحجرات: ١٥].

الثاني:

قول اللسان: وهو النطق بالشهادتين: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، والإقرار بلوازمها, قال الله: ﴿وقولوا آمنا﴾ [البقرة: ١٣٦]، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: "أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأني رسول الله"[٤].

الثالث:

عمل القلب: وهو النية والإخلاص والمحبة والانقياد والإقبال على الله عز وجل، والتوكل عليه، قال الله تعالى: ﴿ولا تطرد الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه﴾ [الأنعام: ٥٢]، وقال تعالى: ﴿ومن أحسن دينا ممن أسلم وجهه لله وهو محسن﴾ [النساء: ١٢٥].

الرابع:

عمل اللسان والجوارح: فعمل اللسان ما لا يؤدى إلا به، كتلاوة القرآن وسائر الأذكار من التسبيح، والتحميد، والتهليل والتكبير، والدعاء والاستغفار وغير ذلك, وعمل الجوارح ما لا يؤدى إلا بها مثل: القيام، والركوع، والسجود، قال الله تعالى: ﴿إن الذين يتلون كتاب الله وأقاموا الصلاة وأنفقوا مما رزقناهم سرا وعلانية يرجون تجارة لن تبور﴾ [الرعد: ٢٢], وقال تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اذكروا الله ذكرا كثيرا، وسبحوه بكرة وأصيلا﴾ [الأحزاب: ٤١][٥]

وقد حصر شيخ الإسلام ابن تيمية -رحمه الله- أقوال السلف في الإيمان، فهي:

أ- قول، وعمل.

ب- قول باللسان، واعتقاد بالقلب، وعمل بالجوارح.

ت- قول، وعمل، ونية.

---

(١) ينظر: شرح السنة للبغوي، (٣٩/١).

(٢) ينظر: مجموع الفتاوى (١٥١/٣) و(٣٣٠/٧).

(٣) انظر: الشريعة، للآجري، (٦١١/٢).

(٤) رواه البخاري في صحيحه، (١٤/١).

(٥) ينظر: معارج القبول بشرح سلم الوصول إلى علم الأصول للحافظ الحكمي، (٥٨٨/٢) والإيمان حقيقته، خوارمه، نواقضه عند أهل السنة والجماعة لعبد الله بن عبد الحميد الاثري، ٢٨.

ث- قول، وعمل، واتباع السنة.

فبيّن -رحمه الله- مقصود السلف، فمن قال الإيمان: هو قول، وعمل، أراد قول القلب، واللسان، وعمل القلب والجوارح.

ومن أراد الاعتقاد، رأى أنَّ لفظ القول لا يفهم منه إلا القول الظاهر، أو خاف ذلك؛ فزاد الاعتقاد بالقلب.

ومن قال: قول، وعمل، ونية، قال: القول يتناول الاعتقاد وقول اللسان، وأما العمل قد لا يُفهم منه النية، فزاد ذلك.

ومن زاد اتباع السنة، فلأن ذلك كله لا يكون محبوباً لله إلا باتباع السنة، وأولئك لم يريدوا كل القول والعمل، إنما أرادوا ما كان مشروعاً من الأقوال، والأعمال.

والذين جعلوه أربعة أقسام فسَّروا مرادهم، كما سئل سهل بن عبد الله التستري عن الإيمان ما هو؟ فقال: قول، وعمل، ونية، وسنة؛ لأن الإيمان إذا كان قولاً بلا عمل فهو كفر، وإذا كان قولاً وعملاً بلا نية فهو نفاق، وإذا كان قولاً وعملاً ونية بلا سنة فهو بدعة،[١]

(يتبع)

"وقد أخبرني معالي الشيخ إبراهيم بن محمد بن إبراهيم آل الشيخ عن أبيه أن عمتهم الشيخة (فاطمة) عالمة، وأنها كانت تدس في منزلها العلوم الشرعية والسيرة النبوية.

وينقل الأستاذ حمد الجاسر عن الأستاذ عبد الرحمن الرويشد أن للشيخ محمد (بن عبد الوهاب) بنتا تدعى (فاطمة) وأنها اتجهت لطلب العلم منذ صغرها، حتى عنست ولم تتزوج" وأنها كانت موصوفة بالجمال ومنتهى العفة.

ولما ضيق الحصار على الدرعية من جنود إبراهيم باشا عام ٢٣٣ هـ انسلت هي وابن أخيها (علي بن حسين ابن الشيخ محمد) فهربا إلى غمان، إحدى بلدان الخليج.

ويقول الرواة: إنها في ذهابها مع ابن أخيها إلى عمان مرًا على بوابة خشبية عند ضريح ولي لهم لا يتجاوزه أحد حتى يقرب لصاحب الضريح شيئاً . فطلب منهما سادن الضريح ذلك فقال ابن أخيها: ما نقرب له إلا ترابا في وجهه فقالت هي: لا ما نقرب له تراب، وكل منهما هي وابن أخيها له مقصد شريف. "

(علماء نجد خلال ثمانية قرون، عبد الله بن عبد الرحمن بن صالح آل بسام)

(١) انظر: الإيمان، لابن تيمية، (١/١٣٧-١٣٨).

النقشبندية: تعريفها، وعقائدها

حسان أبو المكرم

طالب ماجستير في قسم العقيدة والمذاهب المعاصرة بجامعة الملك سعود

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد

فقد قال الله تعالى: (وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا)[1]، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: " افترَقتِ اليهودُ على إحدى وسبعينَ فِرقةً وافترَقتِ النَّصارى على اثنتينِ وسبعينَ فِرقةً وتفترقُ أمَّتي على ثلاثٍ وسبعينَ فِرقةً"[2]

فقد أخبر النبي صلى الله عليه وسلم أن أمته ستفترق على ثلاث وسبعين فرقة، وهذا هو الواقع، فقد وجدت فرق كثيرة ضالة في هذا الكون، منها قريبة للإسلام، ومنها من زلّت بعيداً عن الإسلام وأصوله ومعتقداته.

ومن هذه الفرق التي انحرفت عن أصول الإسلام ومعتقداته فرقة (النقشبندية)، والتي ترجع أصولها إلى الصوفية، انتشرت بكثرة في شبه القارة الهندية، ولها نشاطات وأمور دعوية ومجالات كثيرة. وسنتناول في هذا المقال نبذة مختصرة عن هذه الطائفة، من تاريخها ومؤسسها وسيرة مختصرة عن مؤسسه، ثم أبرز عقائدهم دون ذكر الرد عليهم، وتكون كل هذه الأمور على شكل نقاط، فإن خير الكلام ما قل ودل.

ويهدف المقال إلى الاطلاع عنهم، ومعرفة عقائدهم ونشاطاتهم وأبرز أعلامهم ليكن طالب العلم على حذر منهم مع معرفة شكوكهم وشبهاتهم وأماكن تواجدهم وغير ذلك، لأن التيار الصوفي بدأ ينتشر بسرعة فائقة في العالم الإسلامي مع الزيادة في التشعبات والفرق حسب المناطق والأماكن، بل سموا بعض هذه الفرق بمسميات قد يغتر بها المسلم ولا يستطيع أن يميز بينها وبين الفرق التي سلكت منهج الكتاب والسنة، وكذلك يصعب عليه التمييز بين المتصوفة الأولى والمتصوفة الغلاة منهم.

نسأل الله السلامة من الزيغ والضلال.

عندما نتحدث عن النقشبندية فإنها تشير إلى فرقة من الفرق الصوفية الغلاة، لأن الصوفية كانت على مراحل، ففي البداية كانت منهج سلوكي اشتهرت بالزهد وكثرة العبادة والغلو في التقوى، ثم تحولت إلى معتقد منحرف، وانقسمت إلى مجموعات وفرق، لها أصول ومعتقدات، ومؤسس، وأعلام، ومؤلفات، كالرفاعية والشاذلية والتيجانية والنقشبندية وغير ذلك، بل تفرعت عن الطريقة النقشبندية فرق أخرى كما يقول الشيخ عبدالرحمن دمشقيه في كتابه: "وقد تفرعت من الطريقة النقشبندية عدة طرق وهي الخالدية أو الضيائية نسبة إلى خالد ضياء الدين البغدادي الملقب بذي الجناحين، والضيائية أو الكبروية أو السرهندية أو المجددية نسبة إلى أحمد السرهندي صاحب

---

(١) سورة آل عمران ١٠٣

(٢) صحيح ابن حبان ٦٢٤٧

المكتوبات".[١]

يقول محمد درنيقة في كتابه عن مفهوم النقشبندية: " هي كلمة مؤلفة من جزءين: نقش وهو صورة الطابع إذا طبع به على شمع أو نحوه، وبند معناه ربط وبقاء من غير محو، فالكلمة تشير إلى تأثير الذكر في القلب وانطباعه فيه."[٢]

وقد ذكر الدكتور عبد الله السهلي -حفظه الله- في كتابه قائلاً: " أن سلسلة الطريقة النقشبندية طريقة ذهبية تعود لأئمة الرافضة، ولذا نجد لديهم ميلاً للرافضة"[٣] وهي "تتفق مع الطرق الصوفية الأخرى في الخلوة والفقر وغير ذلك."[٤]

فاتضح من هذا أنهم يميلون للرافضة في بعض معتقداتهم وطرقهم، وغلت الطرق الصوفية الأخرى أيضاً، فهم كخليط أو مركب من الرافضة والصوفية، بل تأثروا كثيراً بالفلسفات الهندية وتشربوا منها، ولذلك ربطوها بعبادات وطقوس ورياضيات روحانية كما سيتم توضيح ذلك إن شاء الله.

ما هي النقشبندية؟

النقشبندية طائفة من المتصوفة، تعتبر من الطرق الصوفية المشهورة، و"تنسب إلى الشيخ بهاء الدين محمد بن محمد البخاري الملقب بشاه نقشبند، وهي طريقة سهلة كالشاذلية انتشرت في بلاد فارس وبلاد الهند وآسيا الغربية"[٥]

(١) الطريقة النقشبندية، ص١٥، لعبد الرحمن محمد سعيد دمشقية، نشره موقع الفرقان

(٢) الطريقة النقشبندية وأعلامها ص١١، لمحمد أحمد درنيقة

(٣) الطرق الصوفية نشأتها وعقائدها وآثارها ص٩١، للدكتور عبد الله دجين السهلي، ط١ عام ١٤٢٥هـدار كنوز اشبيليا، الرياض

(٤) المرجع السابق ص٩٢

(٥) الموسوعة الميسرة في المذاهب والأديان المعاصرة ج١ ص٢٦٧

وأصحاب الطريقة النقشبندية عندهم شرك أكبر في باب التوحيد بالربوبية والألوهية، كاعتقادهم بالقطب والأبدال والأوتاد وغير ذلك، ويمتازون بعقيدة وحدة الوجود، وأن الولي له القدرة في التحكم والتدبير وكذلك يدعون العصمة لهم، ويؤمنون بالحقيقة المحمدية والمنامات ورؤية الله تعالى في حالة اليقظة وخطابه، وتتفق مع الطرق الصوفية الأخرى في الخلوة والفقر وغير ذلك، وقد اهتموا اهتماماً بالغاً لكتب ابن عربي وأتباعه ودافعوا عنهم وشرحوا مؤلفاتهم واعتنوا بها"[٦] .

وكذلك تتفق أصول الطريقة النقشبندية في كثير من التفاصيل مع الطرق الصوفية الأخرى، ومع ذلك فإن " من الملاحظ تلازم طرق الصوفية الأربعة بالطريقة النقشبندية وهم الجشتية والسهروردية والقادرية في حين لا يبدو أنه يسمح للمريد النقشبندي بمبايعة طريقة أخرى غيرها كالرفاعية."[٧]

ويرون أن الإنسان يميل إلى طبعاً إلى الشهوات والرغائب، ويستدلون بقوله تعالى: (زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ)[٨]، ويحبون حباً جماً لمشايخهم ويفضلونهم على آبائهم الحقيقيين بسبب الأبوة المعنوية ويطيعونه فيما يأمره به وينهاه عنه، لأنه يصل إلى طاعة الله ومحبته بذلك الشيخ، ولهم أوراد وأدعية خاصة بهم تسمى (صلوات النقشبندية)

(٦) الطرق الصوفية للدكتور السهلي ٩١-٩٢ بتصرف

(٧) الطريقة النقشبندية ١٤-١٥

(٨) سورة أل عمران ١٤

وهي صلوات على الرسول صلى الله عليه وسلم خاصة بأتباع هذه الطريقة.[١]

نشأة الطريقة النقشبندية:

قبل أن نتحدث عن نشأة الطريقة النقشبندية نود أن نلفت انتباهكم حول نقطة مهمة وهو أن عدداً من الباحثين تناولوا أوجه التشابه بين العقائد السائدة في الديانات الهندية وعقائد غلاة الصوفية وطرقها كالفناء والحلول ووحدة الوجود وتعذيب النفس بالرياضات الشاقة والجوع والسهر وغير ذلك، وقد تحدث بتوسع عن تأثر التصوف الغالي بالمعتقدات والديانات الهندية القديمة أبو الريحان البيروني، وهو أن الطريق لتحصيل السعادة هو تعذيب الجسد بالجوع وأنواع الرياضات، وقرر البيروني أن المعرفة لا تحصل للنفس البشرية إلا بعد أن تتهاون بالبدن وتريد مفارقته بالعزلة والانفراد، وتتعود تعذيب النفس بالتقشف، وهذا ما نجده في الطرق الصوفية أيضًا فهم اهتموا بهذا الجانب، وكأنهم أخذوا هذه الفلسفات الهندية، بل زادوا على هذه النظريات وبالغوا فيها حتى أسسوا لهم طرقاً خاصة ومنهجاً يمتازون به على الطرق الصوفية الأخرى، صحيح أنهم يتفقون في كثير من الأصول والفروع لكن لهم سمات وعلامات تميزهم عن غيرهم من الفرق.

وقد أكد هذه الحقيقة الباحث الهندي الشيخ محمد ضياء الرحمن الأعظمي -رحمه الله- ، ومعلوماته مهمة وتكون في مقام المصدرية، لأنه كان هندوسياً وهداه الله إلى الإسلام، فهو أيضاً ربط بين عقيدة (النرفانا) الموجودة في الديانات الهندية والتي تعني الاتحاد بالخالق وبين القول بوحدة الوجود عند غلاة الصوفية فيقول: "الهدف الأسمى للحياة عند الهندوس هو التحرر من رق الأهواء والشهوات، فإن الروح إذا خرجت من جسم تنتقل إلى جسم آخر، وهكذا تنتقل من جسم إلى جسم حتى يحصل لها (النرفانا) وهو العودة إلى أصلها الذي صدرت عنه، والاتحاد والاتصال به وهو (برهما) وفي تعبير المتصوفين (الفناء)"[٢] .

فاتضح من هذا الأمر أن المتصوفة بفروعها وفرقها قد تأثرت كثيراً بالفلسفة الهندية واهتمت بالمجاهدات النفسية والرياضات الروحية ضمن عقيدة الاتحاد والاتصال.

ويقول الشيخ العلامة إحسان إلهي ظهير- رحمه الله-: "أن الأفلاطونية الحديثة هي أحد المصادر الأساسية للتصوف، بل إنها هي المصدر الأول بالنسبة للقائلين بوحدة الوجود والحلول كأبي يزيد البسطامي".[٣]

و أبو يزيد البسطامي من المؤسسين للطريقة النقشبندية، وكانت تنسب إليه كما سيأتي ذكره في لاحقًا إن شاء الله.

فهؤلاء أخذوا نظرية الفيض والمحبة والمعرفة والاشراق مع الآراء الأخرى التي تمسكوا بها عن الأفلاطونية الحديثة.

وهناك أموراً أخرى يمكن ذكره في ضمن نشأة الطريقة النقشبندية مثل: انصراف بعض

---

(١) انظر كتاب الطريقة النقشبندية وأعلامها للدكتور محمد أحمد درنيقة ٤٢-٥٥

(٢) دراسات في اليهودية والمسيحية وأديان الهند، للدكتور محمد ضياء الرحمن الأعظمي ص ٦٣١

(٣) التصوف المنشأ والمصدر، للعلامة إحسان إلهي ظهير ص ١٢١

العباد المسلمين إلى الزهد في الدنيا والانقطاع للعبادة، وكذلك فكرة الإشراقيين من الفلاسفة الذين يرون أن المعرفة تقذف في النفس بالرياضة الروحية والتعذيب النفسي كما سبق ذكره، وكذلك أخذهم بفكرة الحلول الإلهي في النفوس الإنسانية وحلول اللاهوت في الناسوت، وكذلك اعتمادهم بما يسمونه بالمكاشفات، والوجد، والذوق، والإلهام، والتلقي عن النبي صلى الله عليه وسلم في المنام وفي حالة اليقظة، والتلقي عن الخضر، واللوح المحفوظ وغير ذلك من دعواهم الباطلة والمزيفة، فكل هذه الأمور كانت سبباً كبيراً في نشأة الطريقة النقشبندية والطرق الأخرى كذلك.[1]

نبذة عن مؤسسه:

يرى الدكتور محمد درنيقة أن هذه الطريقة تنسب إلى الخليفة الراشد الأول أبو بكر الصديق رضي الله عنه، إذ يعتبره أصحابها المؤسس الأول، وهم بذلك يرجعونها إلى الرسول صلى الله عليه وسلم على أساس أن أبا بكر قد خلف الرسول صلى الله عليه وسلم في علمه وهديه، ولأنه أفضل الصحابة الكرام، غير أن هذه الطريقة النقشبندية قد استقت مبادئها وأسسها التي ميزتها عن بقية الطرق الصوفية بفضل تعاليم أربع شخصيات:

١/ سلمان الفارسي رضي الله عنه

٢/ أبو يزيد طيفور البسطامي

٣/ عبد الخالق الغجدواني

٤/ محمد بهاء الدين الأويسي البخاري المعروف بشاه نقشبند

وقد عرفت هذه الطريقة منذ نشأتها حتى الآن بعدد أسماء:

١/من عهد أبي بكر الصديق رضي الله عنه حتى أبي يزيد البسطامي كانت تسمى (صديقية)

٢/ من عهد أبي يزيد البسطامي حتى عبد الخالق الغجدواني كانت تسمى (طيفورية) نسبة إلى الاسم الأول لأبي يزيد

٣/ من الغجدواني إلى محمد بهاء الدين كانت تسمى (خواجكانية) نسبة إلى ختم (ذكر) الخواجكان الذي أدخله الغجدواني

٤/ومن محمد بهاء الدين أصبحت تعرف بالنقشبندية

وسنذكر نبذة مختصرة عن محمد بهاء الدين النقشبندي، فهو المؤسس لهذه الطريقة.

اسمه: محمد بهاء الدين النقشبندي الأويسي البخاري المعروف بشاه نقشبند

ولد عام ٧١٧هـ/ ١٣١٧م في قصر العارفان، وهي قرية بالقرب من بخارى.

بعد أن تلقى العلوم الشرعية صحب الشيخ محمد بابا السماسي حينما كان في الثامن عشرة من عمره، فأخذ عنه السكينة والخشوع والتضرع، ولزم الأمير كلال، وأخذ عنه طريقة السر في الذكر لأنه أقوى وأولى، وقد أصبح هذا النوع من الذكر أهم ما يميز الطريقة النقشبندية عن سواها.

بعد إتمام التحصيل على الأمير كلال أخذ شاه نقشبند يزور الصالحين ويستفيد من أحوالهم، وقد حج ثلاث مرات، ثم أقام بمرو وبخارى ثم عاد أخيراً إلى بلدته قصر العارفان ليستفيد منها، وأصبح يبث من العلوم الغيبية والأسرار الوهبية والفيوضات المحمدية مالا يحيط به محيط.

(١) مقالات الفرق للقفاري ٣٩١-٤٠٧

وفاته: مرض شاه نقشبند مرضه الأخير ودخل خلوته، وفاضت روحه في ليلة الاثنين ٧٩١/٣/٣هـ١٣٨٨م ودفن في بستانه كما أوصى، وقد بنى أتباعه على قبره قبة عظيمة، وحولوا البستان إلى مسجد فسيح.

وقد كتب العديد في مناقبه من مشايخ النقشبندية كالشيخ محمد بن سعود البخاري والشريف الجرجاني ومحمد بن حمزة الفناري، وترك شاه نقشبند عدة رسائل:

١/ الأوراد البهائية

٢/ تنبيه الغافلين

٣/سلك الأنوار

٤/ هدية السالكين وتحفة الطالبين

كما أنه اشتهر بنظم بعض الأبيات الحكيمة الفارسية، وقد قام مريدو طريقته بتعريبها،

وللنقشبندي صلوات على الرسول صلى الله عليه وسلم منها هذه الصيغة التي درج النقشبندية على قراءتها:

"اللّٰهُمَّ أنت الملك الحي القيوم الحق المبين، اللّٰهُمَّ إنا نسألك أن تصلي على سيدنا محمد نبراس الأنبياء ونير الأولياء وزبرقان الأصفياء وضياء الخافقين"

وينقل عنه أنه كان زاهداً متقشفاً حريصاً على الكسب الحلال، فكان يأكل خبز الشعير الذي يزرعه بنفسه، وكان يلبس جبة من الصوف، وكان محباً للفقراء، يصنع لهم الطعام بيده ويخدمهم ويواسيهم لذلك أحبه الجميع واعترفوا بفضله.[١]

من أبرز أعلامهم:

١/ أبو يزيد البسطامي

واسمه طيفور بن عيسى بن آدم بن سروشان، كان جده سروشان مجوسياً فأسلم، ولد في ١٨٨هـ/٨٠٤م ببسطام في خراسان وتوفي عام ٢٦٤هـ/٨٧٧م ولم يعرف مكان دفنه

يرى بعض المستشرقين أن أبا يزيد قد يكون أول من نشر فكرة الفناء عند الصوفية المسلمين، وهو صاحب المقولة الشهيرة (سبحاني ما أعظم شأني، خضت بحراً وقف الأنبياء بساحله)

٢/عبد الخالق الغجدواني:

ولد بقرية غجدوان القريبة من بخارى، ونشأ بها وتوفي ودفن فيها أيضاً، مما يذكر أنه عندما وصل شيخه في التفسير إلى قوله تعالى: (ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ)[٢] سأل الغجدواني شيخه عن حقيقة الذكر الخفي وكيفيته، لأن العبد إذا ذكر جهراً وبتحريك الأعضاء اطلع عليه الناس، وإذا ذكر في قلبه فإن الشيطان يطلع عليه لأن الرسول صلى الله عليه وسلم قال: إن الشيطان يجري من ابن آدم مجرى الدم في العروق، وما لبث أن اهتدى الغجدواني إلى طريقة في الذكر ذلك أنه كان يغطس في الماء، ويذكر بقلبه: لا إله إلا الله محمد رسول الله.

وضع الغجدواني (الختم) النقشبندي أي طريقة الذكر

٣/ إبراهيم البدخشاني النقشبندي:

استوطن مدينة دهلي، وتوفي عام ١١٦٥هـ/١٧٥١م، له مثنوي باللغة الفارسية فيه ستة آلاف بيت.

(١) الطريقة النقشبندية وأعلامها ٩-٢١

(٢) سورة الأعراف ٥٥

٤/ أبو بكر بن أحمد الكلالي الشافعي النقشبندي(١٢٤٠-١٢٨٠هـ/ ١٨٢٤-١٨٦٣م)

كردي الأصل: نزل دمشق وظل فيها حتى وفاته، اشتهر بعلوم الحديث والتفسير،

من آثاره:

- صفوة التفاسير
- تنبيه الغافلين على من رد اقوال المتقدمين وخطأ من أخطاء أئمة الدين

٥/ أبو سعيد بن محمد عيسى:

ولد عام ١١٩٦هـ/١٧٨١م في بلدة مصطفى آباد (رامبور) بالقرب من دهلي، وتوفي عام ١٢٥٠هـ/١٨٣٤ م

٦/ أحمد بن عبد الأحد الفاروقي السرهندي الملقب بمجدد الألف الثاني:

ينتهي نسبه إلى الخليفة الراشد عمر بن الخطاب رضي الله عنه، ولد ببلدة سهرند أو سرهند (وهي قرية بين دهلي ولاهور)، أجاز والده الطرق الصوفية القادرية والسهروردية والجشتية وهو ابن سبعة عشر عاماً

٧/ ظاهر بنعلي الزيداني الصفدي النقشبندي:

استوطن اسلامبول، له أرجوزة سعادة الدراين في إتباع سيد الكونين

٨/ عليم الله بن عبد الرشيد العباسي النقشبندي الحنفي اللاهوري:

توفي حوالي ١١٦٧هـ/١٧٥٤م له (الفوائد الأفضلية)[١]

من عقائدهم: المقامات والمراتب:

تحض النقشبندية على العزائم وتجنب الرخص في جميع الحركات والسكنات والعادات والعبادات والمعاملات والسلوكيات، ولهم كلمات فارسية وضعها الغجدواني تعتبر أصولاً، ولهم مقامات ومراتب وأسباب للوصول كالرابطة والمراقبة (وهي على درجات كمراقبة الحق ومراقبة الأقربية ومراقب البصرية والعلمية والمراقبة الفاعلية) والذكر وختم الخواجكان والشيخ المرشد والمريد.

" وأصول الطريقة وتعاليمها فارسية النمط. قام بإخراجها أعاجم من بخارى وطاشكاند ممن كانوا متأثرين بتعاليم الفلسفة، ثم مزجوا هذه التعاليم بالإسلام وكسوها بكساء الشريعة. ومن الأدلة على ذلك ما تجده في هذه التعاليم التي بقيت عناوين تعاليمها بالفارسية حتى في كتب الطريقة العربية:

(هوش دردم) بمعنى حفظ النفس عن الغفلة

(نظر بر قدم) بمعنى أن يكون نظر السالك إلى قدميه عند المشي.

(سفر در وطن) بمعنى سفر السالك من عالم الخلق إلى جناب الحق.

(خلوة در أنجمن) بمعنى المكان الذي يتخلى فيه العبد للتعبد.

(يادكرد) معناه الذكر بالنفي والإثبات.

(بازكشت) أي إلهي أنت مقصودي ورضاك مطلوبي.

(نكاهداشت) أي حفظ القلب عن معنى النفي والإثبات عند الذكر.

(ياد داشت) أي حضور القلب مع الله"[٢].

" وكان يكفي الشيخ بهاء نقشبند أن يقول

(١) انظر: الطريقة النقشبندية وأعلامها ١٣-١٧٠

(٢) موقع الدرر السنية https://dorar.net/firq/2547

للرجل «مت» فيموت. ثم يقول له «قم حي» فيعود إلى الحياة مرة أخرى. وذكر قصة طويلة في ذلك وأنه ألقي إليه أن يقول لصاحبه مت فمات ثم ألقي إليه أن يقول له عش فأخذت تسري به الحياة شيئًا فشيئًا ثم عاد إلى الحياة.

وكان شاه نقشبند يتمثل هو وكل نقشبندي بأقوال الحلاج ومنها هذا البيت:

كفرت بدين الله والكفر واجب

لدي وعند المسلمين قبيح

هذا البيت الشعري مشهور ومتداول في كتب النقشبنديين، كيف يكون فيه شيء من الإيمان من يستحسن نقل هذا الشعر الكفري من الحلاج الذي شهد علماء الأمة أجمعهم بكفره؟!

وسلم أحد الناس عليه فلم يرد عليه السلام ثم اعتذر إليه بعد ذلك بأنه كان مشغولا بسماع كلام الله"

ويقال عن أحمد الفاروقي السرهندي: " لقد بلغ هذا الرجل من التواضع أن فضل النصارى والكفار عامة عليه فزعم أن كفار الإفرنج أفضل منه لأن في الكافر نورانية بسبب امتزاج عالم الأمر فيه بعالم الخلق". ليس هذا فحسب، بل " بعض النقشبنديين يجد نفسه أثناء العروج في مقام الأنبياء أنه عرج إلى ما فوق مقام الأنبياء"[١] والله المستعان على ما يقولون.

وعندما ندخل في معتقداتهم نجد أن هناك بعض الأمور لديهم يدل على الكفر مثل اعتقادهم عن الولي أنه إذا قال للشيء كن فيكون[٢] ، وعكس ذلك، أو إذا قال لهم (مت) فيموت، وكذلك هناك أقوال صريحة في كفرهم، مثال ذلك:

ما حكاه صاحب الرشحات، أن مولانا سعد الدين جاء يوماً في حجرته ورأى مصحفاً في الرف، فقال ما هذا الكتاب، فرد عليه أنه مصحف...فقال: إن ذلك من علامة البطالة، فإن تلاوة القرآن وظيفة المتوسطين والصلاة شغل المنتهين[٣].

أيعقل هذا؟؟ مع أن الصلاة عمود الدين وركن من أركان الإسلام، وهم يستخفونه ويقولون إنه شغل المنتهين...؟

وكذلك أنكروا علم الغيب لله، ويقولون أن العبد رب والرب عبد، ولهم مقامات، كمقام الجهل بالله، ومقام الخمر والسكر، ويعتبر السرهندي الإنسان على صورة الله، ويصرحون بوحدة الوجود والاتحاد والفناء والعشق، ويقولون أن الحق منسوب إلى بهاء الدين النقشبندي، وأنهم فعالون لما يريدون، وأنهم يعلمون الغيب و ما في الصدور وغير ذلك من الشطحات...

ويعتنون كثيراً بموضوع الولاية، "فيقسم محمد المعصوم النقشبندي مراتب الولاية إلى عدة مراتب:

مرتبة الولاية الصغرى.

مرتبة الولاية الكبرى وهي ولاية الأنبياء.

مرتبة الولاية العليا. وهي مرتبة الوصول إلى مرتبة الذات الإلهية.

- أما مرتبة الولاية الكبرى وهي المقام

(١) موسوعة الفرق. الباب الحادي عشر: الطرق الصوفية، الفصل الخامس: الطريقة النقشبندية ، المبحث الرابع: الأفكار والمعتقدات، بتصرف

(٢) الطرق الصوفية للدكتور السهلي ٩٢

(٣) الطريقة النقشبندية ٦٧

الأخير من مقامات النقشبندية التي هي ولاية الأنبياء.

- وأما مرتبة الولاية العليا. فهذا المقام من أعلى درجات الولاية السابقة بل كشف تفوقه على ولاية الأنبياء، أما فضيلة الأنبياء فهي بطريق النبوة...

- وإذا تم السير في اسم «هو الظاهر» واسم «هو الباطن» اللذين هما جناحان للطيران إلى مرتبة « الذات البحت تعالت وتقدست» المعبر عنها بالولاية العليا يكون السير في مرتبة «كمالات النبوة» وفي هذا المقام قطع السير مقدرا نقطة واحدة أفضل من جميع المقامات من الولايات الثلاثة أعني الولاية الصغرى والولاية الكبرى والولاية العليا.

وأما مرتبة ما بعد الولاية العليا فهي:

مرتبة تجلي الذات تعالى من غير حجب الأسماء والصفات وجعل لها ثلاث مراتب:

الأولى: مرتبة كمالات النبوة.

الثانية: مرتبة كمالات الرسالة.

الثالثة: مرتبة كمالات أولي العزم. وهذه المراتب كلها تحصل لغير الأنبياء.

ولما أحس بأن هذا تفضيل صريح للولي على النبي اعتذر قائلًا:«ولا يلزم من حصول كمالات النبوة لبعض أفراد الأمة بطريق التبعية والوراثة أنهم من الأنبياء أو مساو لهم».

وثمة طعن آخر ظهر من أحد النقشبنديين المعاصرين وهو عبد الله الفايز الداغستاني شيخ ناظم القبرصلي حيث زعم أن «من قرأ خواتيم البقرة ولو مرة واحدة يفوز بما لم يفز به الأنبياء».

وهناك دوائر تحصل للسالك منها:

- دائرة حقيقة الكعبة
- دائرة حقيقة القرآن: وفي هذه المرتبة يزعمون أنه يظهر للولي في هذا المقام بواطن كلام الله ويرى كل حرف من حروف القرآن بحرًا موصلًا إلى كعبة المقصود ويصير لسان القارئ وقت تلاوة القرآن كالشجرة الموسوية.
- دائرة حقيقة الصلاة
- دائرة المعبودية الصرفة
- دائرة الحقيقة الموسوية
- دائرة الحقيقة المحمدية.
- دائرة الحقيقة الأحمدية
- دائرة الحب الصرف: وتعني أن الحب هو سبب خلق الله لظهور المكنات[1]

وقد زعموا أنهم يرون الله تعالى في الدنيا " واختلف علماء بخارى في إمكان رؤية الله، فمنهم من نفى ومنهم من أثبت، فأتوا إلى الشيخ محمد بارسا، وقالوا له: إنا رضيناك حكما علينا في هذه المسألة. فقال للنافين: أقيموا في صحبتي ثلاثة أيام متطهرين ولا تتكلموا بشيء ما حتى أجيبكم، فلما مضت ثلاثة أيام حصل لهم حال قوي فصعقوا، فلما أفاقوا جعلوا يقبلون قدم الشيخ وقالوا: آمنا أن الرؤية حق».

ويؤكد محمد أمين الكردي هذه الرؤية في الدنيا فيقول: «فإذا جاهد فيه - أي الذكر - حق جهاده وصدق فيه: ظهرت النتيجة وهي: رؤية جناب الحق سبحانه وتعالى بعين البصيرة على الدوام والمداومة

(١) موسوعة الفرق، الباب الحادي عشر: الطرق الصوفية، الفصل الخامس: الطريقة النقشبندية ، المبحث الثاني عشر، بتصرف يسير

عليها مع المجاهدة التامة يكون دائما في التقرب وأبدا في التحبب حتى تنتهي مراقبته إلى المشاهدة من غير حجاب» وقد أثبت السرهندي رؤية النبي ربه في الدنيا.[١]

مناطق انتشارهم ووجودهم:

النقشبندية لها فروع في الصين وتركيا، وبعض بلدان آسيا الوسطى والهند وجاوة، ومن فروعها الصديقية خواجكانية[٢]

وقد نشر هذه الطريقة في الهند السرهندي، ونشرها في بلاد الشام محمد أمين الكردي، ولا يزال الشيخ أمين يعمل على نشر هذه الطريقة في بلاد الشام ولبنان غلى يومنا هذا.[٣]

ويمكن أن نستخلص المقال في أسطر فنقول أن النقشبندية من الطرق المتصوفة الغلاة، لها معتقدات باطلة تصل إلى درجة الكفر والشرك، فينبغي لطالب العلم الحذر من هذه الخزعبلات والشطحات التي لا يقبلها الدين ولا العقل، بل كله عن اتباع هوى وما خطر في قلب بشر، نسأل الله السلامة، والتوفيق والعون والسداد

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

المراجع والمصادر

١/ القرآن الكريم

٢/ الصوفية نشأتها وتطورها، محمد العبدة وطارق عبد الحليم، ط٢٢، ١٤٢٢هـ/٤، ٢٠٠١م

٣/الطريقة النقشبندية وأعلامها، د. محمد أحمد درنيقة

٤/مقالات الفرق،أ. د.ناصر بن عبدالله القفاري، ط١، ١٤٣٩هـ/٢٠١٧م دار العقيدة

٥/التصوف المنشأ والمصدر، إحسان إلهي ظهير، ط١، ١٤٠٦هـ/١٩٨٦م، إدارة ترجمان السنة لاهور، باكستان

٦/الطريقة النقشبندية، عبد الرحمن محمد سعيد دمشقية، موقع الفرقان

٧/الطرق الصوفية نشأتها وعقائدها وآثارها، الدكتور عبدالله دجين السهلي، ط١ ١٤٢٦هـ/٢٠٠٥م، دار كنوز اشبيليا

٨/الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة، ط٤، دار الندوة العالمية للطباعة والنشر والتوزيع

٩/فرق معاصرة تنتسب إلى الإسلام وبيان موقف الإسلام منها، د. غالب بن علي عواجي، كتاب الكتروني

١٠/موسوعة الفرق ضمن موقع الدرر السنية

(١) المرجع السابق

(٢) الطرق الصوفية للدكتور السهلي ص٩٢

(٣) الطريقة النقشبندية ١٩-٢٥

أنا كائن لا مرئي، هل أدركتني؟؟

جنيد يوسف عبد الرقيب

طالب البكالوريوس، قسم اللغة العربية وآدابها بجامعة الملك سعود

أنا كائن لا مرئي، لا أحد يراني، ولكن أرى الجميع وأشاهد كل الأشياء، وأنظر إلى الناس من بعيد ذاهبا وماشيا، وكانت لي أسرة أحكم عليها وأترأس، وأعضاؤها كانوا يطيعونني، وما كان لأحد أن يخالف أمري، وكانت تمر الأمور والأيام على هذه السيادة والرفادة، قضيت سنين مع أسرتي في ابتهاج وسرور، وكانوا خاضعين لأوامري، وأعالي الصيحات على جميع أفرادها، هذه الأسرة الصغيرة مع كيانها كانت تترأس قبيلة متكونة من الأفراد والأناس، ووراؤها كانت الأوامر تحت قيادتي، هذه الكائنة التي لا يستطيع أحد أن يراها، قادت مع أعضائها الأسرة والمجتمع، ولكن فجأة تغير المشهد عندما كنت في ذروة العمر، وصرت في حالة من الذهول والغشاوة، ولما استيقظت من هذا النوم، وجدت دنيا جديدة مختلفة عن دنياي، لا أرى فيها السيادة ولا القيادة سوى حسرة وبؤس وحزن عميق دائم.

عاليت الصرخات، ودعوت أعضائي، وأمرت الجميع لمطاوعة أمري، ولكنهم أعلنوا الخروج عن إطاعتي، وتظاهروا الخرس ضدي صامتين، ومتمردين لا يجاوبون ولا يسألون ولا يتحركون، ولا يعملون شيئا، وحرضتهم، وأثرتهم لإطاعة ولي أمرهم، وذكرتهم إحساني عليهم في السنين الماضية، ولكن لم يتحرك أحد و لم يجب، كأنني أخاطب جمادا، كأنهم يمرون من صدمة أقفلت لسانهم، وكنت أتحدث معهم بلسان مثير لعواطفهم ووجدانهم، وهيجت مشاعرهم، ولكن لم يسمع أحد وذهب صوتي سدى لم أجد فيه أثرا أن يوقظ أحدا أو يحرض أو يثير.

هل أدركتني من أنا؟ هل أحسست من أنا؟ لا، لم تدركني و لم تشعر ألمي، و لم تبلغ من الحزن مهما بلغت، أنا العقل في جسم إنسان أصابه الشلل وجعلني طريح الفراش، أنا الذي بلعت هذه الغصات الأليمة، أنا أنظر إلى أعضائي، ربيت أولادي وأفراد بيتي، وترعرعوا في تربيتي وإرشادي، ولكنهم اليوم لما صرت في أشد الحاجة إليهم لا يبالي أحد ولا يدرك، وهم تعبوا، وانزعجوا، وتضجروا، وكنت ساعدتهم لما وجدوا، وكانوا محتاجين للمساعدة، و لم أنزعج، ودائما اقتربت منهم لأتحدث، وأسليهم بقربتي، وأقص لهم للترويح عن نفوسهم، ووفرتهم مما احتاجوا، ولكنني أراهم لا يقتربون مني، يمرون من قريب ولا يراني أحد، أتألم في فراش، وأعاني من وجع، ولكن لا أحد يفهمني، ولا وحدتي، ولا عزلتي، وأنا طريح الفراش كحجر لا يتحرك، ولكن اتسع كياني، وأدلي أطرافي في آفاق السماء وأسترحم رب العالمين، وأتألم من ضعف أعضائي لأنني لا وجود لي بدونها.

هل عرفت من أنا؟! هذا الكائن الحي؟ هل أدركت يا بني؟

لم تدرك ألمه؟ لا تتحرك أعضاؤها ولكن يتسع جذورها بكل مكان ويفهم سوى أنه لا يستطيع شيئا، وكيف! ولا أستطيع التحكم بأعضائي فما بال القبيلة أن أترأس عليها، وأنا أتحسر لنظراتهم!!

Online Monthly Magazine
By Indian Students at King Saud University, Riyadh (KSA)

AUG-SEP 2022

”اسلام کے بارے میں یہ اصولی اور بنیادی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ یہ چونکہ عقل ودانش کی اہمیتوں کو مانتا ہے اس لیے اس کی تعلیمات کے رد و قبول میں ہر شخص مختار ہے کہ جس جس حصہ کو معقول سمجھے مان لے اور جس کو عقل ودانش کی کسوٹیوں پر پورا اترتا ہوا نہ دیکھے ترک کر دے، یہ غلط فہمی اس بنا پر ابھری کہ لوگ موجودہ عقلیت کے مفہوم سے نا آشنا ہیں، موجودہ عقلیت اور چیز ہے اور نفس عقل شے دیگر۔ عقل کا کام ایک طرح کی نگرانی ہے۔ جہاں تک دینی تعلیمات کا تعلق ہے اس کے دائرہ فرائض میں صرف یہ بات داخل ہے کہ یہ دیکھے کہ جو کچھ اس پر مذہب کی طرف سے عائد کیا جارہا ہے آیا اس کو یہ آسانی سے برداشت کر سکتی ہے۔ بغیر اس کے کہ یہ فلسفہ کے چکروں میں پڑے اور اس کی سحر طرازیوں سے متاثر ہو۔“

(علامہ محمد اسد رحمۃ اللہ علیہ)

0966501045646
irtekazmonthly@gmail.com